سوداگر

احمد اقبال

خواب پر سوچنے والے کا سرمایہ ہوتے ہیں... یہ خواب ہی تو ہوتے ہیں جو حقیقت کا روپ دھارتے ہیں... کچھ لوگوں کو خوابوں کا ایک طلسم گھیرے رکھتا ہے... بزدل کی زندگی بھی خوابوں... رنگینیوں... المناکیوں اور تلخیوں کا مجموعہ ہے... دشمنوں کے لیے دوستوں کی تلاش... اور دوستوں کے لیے اچھے لمحوں کی جستجو اسے ہمیشہ سرِراہ بھٹکائے رکھتی ہے... مجرموں اور ڈاکوئوں سے معاملات نمٹانے کی ذمّے داری وہ کمال ہنرمندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے... اس دفعہ صائمہ کی دوست اور بزدل کی قائم مقام محبوبہ عجب کشمکش کا شکار ہے... آنے والے خطرات اور درپیش خدشات اس کی زندگی کی نائو کو ڈبو رہے ہیں مگر مہم جو بزدل کے ہوتے ہوئے کبھی کوئی نائو ڈوبی ہے... ہنستے مسکراتے مکالموں کے سنگ ڈرامائی صورت اختیار کرتی پُرمزاح تحریر...

اس شخص کی کھوج و جستجو کا معاملہ جو اپنا رشتہ جرم سے جوڑ بیٹھا تھا...

WWW.PAKSOCIETY.COM
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوداگر

احمد اقبال

خواب ہر سوچنے والے کا سرمایہ ہوتے ہیں... یہ خواب ہی تو ہوتے ہیں جو حقیقت کا روپ دھارتے ہیں... کچھ لوگوں کو خوابوں کا ایک طلسم گھیرے رکھتا ہے... بزدل کی زندگی بھی خوابوں... رنگینیوں... المناکیوں اور تلخیوں کا مجموعہ ہے... دشمنوں کے لیے دوستوں کی تلاش... اور دوستوں کے لیے اچھے لمحوں کی جستجو اسے ہمیشہ سرِراہ بھٹکائے رکھتی ہے... مجرموں اور ڈاکوئوں سے معاملات نمٹانے کی ذمّے داری وہ کمال ہنرمندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے... اس دفعہ صائمہ کی دوست اور بزدل کی قائم مقام محبوبہ عجب کشمکش کا شکار ہے... آنے والے خطرات اور درپیش خدشات اس کی زندگی کی نائو کو ڈبو رہے ہیں مگر مہم جو بزدل کے ہوتے ہوئے کبھی کوئی نائو ڈوبی ہے... ہنستے مسکراتے مکالموں کے سنگ ڈرامائی صورت اختیار کرتی پُرمزاح تحریر...

اس شخص کی کھوج وجستجو کا معاملہ جو اپنا رشتہ جرم سے جوڑ بیٹھا تھا...

ساڑھے چار فٹ قد کا بنگالی سوا دو فٹ کی لنگی باندھتا تھا۔ یہ غالباً ٹیبل کور جیسی کوئی چیز ہوگی جسے اس نے لنگی کا درجہ دے کر اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ ستر پوشی کے سارے تقاضے پورے ہوئے۔

مقامی پولیس کے ساتھ ایک پُرامن بقائے باہمی کے سمجھوتے نے اسے میڈیکل کالج کے گرلز ہوسٹل گیٹ کے عین مقابل گنے کا رس نکالنے والی مشین لگانے کا غیر قانونی حق دلا رکھا تھا حالانکہ سڑک تنگ تھی۔ ایسے ہی حقوق دہی بھلے اور چاٹ کے ایک ڈیلر نے بھی حاصل کر لیے تھے لیکن اسے ہوسٹل میں مقیم ڈاکٹرز اور نرسز کی مالی اور غیر اخلاقی حمایت بھی حاصل تھی۔ چاٹ وہ ہر وقت چاٹتی رہتی تھیں اور ہوسٹل میں جانے والی ہر پلیٹ کے نیچے اندر داخلے کا اخلاقی لائسنس رکھنے والا بارہ سالہ "چھوٹا" بڑی صفائی سے کسی کا نامۂ الفت اسکاچ ٹیپ کی مدد سے یوں چپکاتا تھا کہ نہ گیٹ پر متعین پٹھان چوکیدار کی نظر دیکھ سکتی تھی اور نہ خفیہ کیمروں کی آنکھ... جب خالی پلیٹ واپس آتی تھی تو اس کے نیچے جواب موجود ہوتا تھا۔ علاوہ ٹپ کے وہ محبت کرنے والوں کی دعائیں مفت میں سمیٹ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہا تھا۔

میں نے بنگالی کے جوس سینٹر کو ترجیح دی تھی۔ یہ جگہ عین اس کھڑکی کے مقابل تھی جہاں مجھ خانہ خراب مجنوں کو اپنی قائم مقام محبوبہ کی طرف سے ڈائریکٹ سگنل موصول ہوتا تھا۔ میرے اور بنگالی کے تعلقات میں رقابت کہیں نہ تھی۔ اس کا نخ بستہ جوس کا بزنس تھا اور میرا کاروبارِ عشق... اس کے باوجود ہمارے درمیان دشمنی کے جذبات سوکنوں جیسے تھے۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ موقع ملے تو مجھے بھی کسی گنے کے ساتھ مشین میں سے گزار دے اور میں صدق دل سے چاہتا تھا کہ اسے دشمن اٹھا کے لے جائیں۔

اس نے لنگی اٹھا کے سڑکتی ناک کو صاف کیا اور مجھ سے بولا۔ ”آخر تم کتنا دیر کھڑا رہے گا اِدھر۔ لمبا لوفر...“

میں نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”جب تک میری ٹانگوں میں دم ہے اور تمہارا دم نہیں نکلتا۔“

اس نے خفگی سے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ ”ہم شوب جانتا ہے تم کس کا لیے آتا ہے... آز تک تم ایک گلاس شوربت نہیں پیا سالا۔“

”ابھی میں پُرامید ہوں دوست... جس دن وہ کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی یا اس نے تم سے شادی کرلی، اس دن میں ایک نہیں دو گلاس پی لوں گا۔ خودکشی کے لیے تو اب خالص زہر بھی نہیں ملتا۔ تمہارا یہ ٹانک بہترین ہے۔“

”کیشا مافک بات کورتا ہے... یہ ایک دم خالص جوس ہے۔“

میں نے بند کھڑکی کو دیکھ کے کہا۔ ”نہیں، یہ آدھی یخنی ہے... ماءُ اللحم... ہر گلاس میں اوسطاً دو درجن مکھیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔“

اس نے مزید خفگی کا اظہار کیا۔ ”تم شالا ہمارا بزنس خراب کرتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اگر تم غور کرو تو میری وجہ سے تمہاری سیل بڑھ جاتی ہے۔ میری وجاہت پر لڑکیاں ایسے ہی آتی ہیں جیسے کہ گنے کے رس کی مٹھاس پر مکھیاں۔“

اس سے پہلے کہ بنگالی میری بات سمجھتا، چھ فٹ سے نکلتے قد اور پہلوانوں جیسے جسم کے ساتھ... سوا نو بجانے والی ساڑھے چھ انچ کی کڑک مونچھوں والا ایک پیاسا نمودار ہوا اور اس نے گنے کے رس کا ایک کے بعد دوسرا گلاس اپنے حلق میں انڈیلنا شروع کیا... مجھے اس کی صورت کچھ دیکھی بھالی لگی مگر وہ میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔

”جلدی ہاتھ چلا چوہے کی اولاد۔“ اس نے غرا کے بنگالی سے کہا۔ مجھے اب اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ رس جمع کرنے والے کسی شوگر فیکٹری کے بینک کی طرح اس کا پیٹ ایک دھماکے سے پھٹا تو زندگی میں پہلی بار گنے کے رس سے غسل فرمانے کی سعادت حاصل ہوگی۔

جب اس نے گنے کا اسٹاک ختم ہوجانے کے بعد جوس پینا موقوف کیا تو بنگالی کی لنگی ڈھیلی ڈھیلی ہورہی تھی۔ شاید اسے اندیشہ لاحق تھا کہ یہ ہول سیل میں جوس کو پیٹ کے ڈرم میں بھرنے والا پیسے دیے بغیر چل پڑا تو اسے کون روکے گا... اس کے کندھے پر بندوق بھی تھی اور سینے پر گولیوں کے ہار جیسا میگزین بھی... اس نے ایک ہزار کا نوٹ نکالا تو بنگالی ہکلانے لگا۔ ”ابھی کھلا... نہیں ہے... ہم لاتا ہے۔“

میں نے اس کو ایک دوستانہ آفر کی۔ ”یار مجھ سے لے لو۔“

اس وقت رس خور بلا نے میری طرف دیکھا اور ایک دم اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ ”ارے استاد! معاف کرنا میں نے دیکھا ہی نہیں تھا تمہیں۔“ اس نے مضحکہ خیز حد تک باریک آواز میں کہا اور مجھے گلے لگالیا۔ ”بڑی گستاخی ہوگئی... معاف کرنا۔“

بنگالی نے یہ منظر حیرانی اور دلچسپی سے دیکھا جب میں رس سے بھرے ایک بہت بڑے لچک دار مٹکے میں آدھا مدفون تھا اور کافی تیزی سے دردناک آوازیں نکال رہا تھا۔ رہائی میسر آتے ہی میں نے ایک گہری سانس لی۔ ”شاید میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔“

”جنابِ عالی! میں ماجھا ہوں... ٹنڈے ڈاکو کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔ آپ نے مجھے بچالیا تھا۔ صرف تین سال کی سزا ہوئی تھی۔“

”اچھا اچھا۔“ میں نے اس سے بادلِ ناخواستہ مصافحہ کرکے خوشی کا اظہار کیا۔ ”کب رہا ہوئے؟“

”بس سیدھا جیل سے آرہا ہوں جنابِ عالی... چار بندے مارے گئے تھے۔“

”چلو اب چھوڑو پرانی بات کو۔“ میں نے دیکھا کہ کافی لوگ اس منظر سے محظوظ بھی ہورہے ہیں اور حیران بھی جو کسی زرافے اور گینڈے کے ملاپ جیسا تھا۔ بنگالی پر سکتہ طاری تھا۔

”اچھا استاد... میں اب چلتا ہوں۔ آج رات ہی پروگرام ہے، ڈی ایچ اے میں ایک مارواڑی سیٹھ کے گھر ڈاکا ڈالنا ہے۔“ اس نے شریکِ راز کیا اور پھر بنگالی سے مخاطب ہوا۔ ”رکھ باقی اپنے پاس چوہے... ہمارے پیر و مرشد سے خبردار جو کبھی پیسے مانگے۔ جتنا رس چاہیں پی لیں... انکار کیا تو تیرا خون پی جائیں گے ہم۔“

اس کے رخصت ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ بنگالی کی دھوتی ڈھیلی ہی نہیں گیلی بھی ہورہی تھی اور وہ ایسے کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑا بخار آنے والا ہو۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اس کی عیادت کرتا... سامنے والی کھڑکی کھلی اور میری قائم مقام محبوبہ نے مجھے گرین سگنل دیا... میں نے بنگالی کو تسلی دی کہ کہیں اس کا ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے۔ ”یہ ڈاکو تھا مگر تمہیں نہیں لوٹے گا... بلکہ تم یہ کام کرنا چاہو تو مجھے بتادینا۔“

آج زندگی میں پہلی بار اس نے نہ صرف ایک جیتے جاگتے کسی خونخوار ڈاکو کا دیدار کیا تھا بلکہ اس کے مالِ غنیمت میں سے ایک ہزار بھی وصول کیے تھے۔ میرے لیے یہ ملاقات باعثِ مسرت سے زیادہ باعثِ ندامت ہوئی تھی۔ مجھے اس کیس کے بارے میں زیادہ یاد بھی نہیں تھا۔

ڈاکٹر صائمہ اور میری داستانِ عشق اب لیلیٰ مجنوں کی کہانی سے زیادہ شہرت اختیار کرچکی تھی۔ اسے پھیلانے میں ڈاکٹر غزالہ کا بھی ہاتھ تھا مگر میں نے برا ماننا بہت پہلے چھوڑ دیا تھا... بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا...

”آخر کب تک میں تم سے کام چلاؤں... صائمہ کہاں ہے؟“ میں نے مایوسی سے کہا۔

کینٹین کے جوکر ویٹر نے پھر چنے کی دال تڑکے والی درمیان میں رکھی۔ ”سر جی! ہارس پاور ہے ہارس پاور... کھاتے جان بناؤ۔“

اگر میں اس سے سوال کرتا کہ کیا میں گھوڑا نظر آتا ہوں تو اس کا جواب ہوتا... نہیں جی... اونٹ اور زرافے بھی کھا سکتے ہیں اور گھوڑے کی طرح دوڑ سکتے ہیں... چنانچہ میں نے اس کو معاف کردیا۔

”صائمہ ڈلیوری میں ہے کل سے۔“ غزالہ بولی۔

لقمہ میرے ہاتھ سے گر گیا۔ ”کل سے؟ کیا مطلب... ایک ہفتہ پہلے ملی تھی تو... کچھ نہیں تھا۔“

”مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے... وہ ڈبل ڈیوٹی دے رہی ہے لیبر روم میں کل سے... رات کو فارغ ہوگی۔“

”پھر مجھے ورغلا کے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ گھوڑا دال کھلانے کے لیے...؟ میں تمہیں لنچ کے لیے باہر بھی لے جاسکتا تھا۔“

”کیا کہیں سے مال ملا ہے؟“ اس نے مجھے شک کی نظر سے دیکھا۔ ”میں حرام نہیں کھاتی... لیکن آج کھا لوں گی... چلو اٹھو... چائنیز چلتے ہیں۔“

میں بات کہہ کے خود ہی پھنس گیا تھا۔ صبر شکر سے وہ دال کھا لیتا اور گھوڑے کی طرح ہنہناتا چلا جاتا تو ہزار روپے بچا لیتا جو توپ صاحب سے میں نے تقریباً ڈاکا ڈال کے لیے تھے۔ ان کا ہاتھ جیب کی طرف جاتا ہی نہ تھا۔ مجبوراً مجھے اپنا ہاتھ استعمال کرنا پڑا تھا۔ میں نے دل پر جبر کا پتھر رکھ کے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ہاں... چلو... آخر تم میری قائم مقام محبوبہ ہو پرانی... کبھی صائمہ کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی تو تم ہی کام آؤ گی میرے... فارسی میں کہتے ہیں کہ گندم نہ ملے تو جو پر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔“

جب وہ ریسٹورنٹ میں میرے مقابل بیٹھی تو میرے اس شبہے کی تصدیق ہوگئی کہ اس نے بشاشت صرف اخلاقاً طاری کررکھی ہے ورنہ اندر سے وہ کسی بات پر مضطرب اور اپ سیٹ ہے۔ سوال یہ تھا کہ ایسی صورت میں اسے مجھے بلانے یا میرے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی... اخلاقاً میں نے ہی اس سے سوال کیا۔ ”کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو؟“

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”میرا لنچ کا بالکل موڈ نہیں تھا لیکن کینٹین میں بات نہیں ہوسکتی تھی۔ تم میری مدد کرو گے؟“

میں نے کہا۔ ”اس کے لیے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ مسئلہ کیا ہے اور مسئلہ سننے سے پہلے لنچ ضروری ہے... انکار میں کیسے کرسکتا ہوں... صائمہ سے بھی ڈر لگتا ہے۔“

اس نے میرے بار بار کہنے پر لنچ ختم کیا۔ اس دوران میری ہلکی پھلکی گفتگو بھی اس کی اداسی نہ دور کرسکی۔ لنچ کے بعد اس نے بلاتمہید کہا۔ ”تم جانتے ہو... میں غزالہ خان ہوں۔“

”بہت اچھی طرح... پانچ سال سے تم اس پوسٹ پر ہو۔“

اس نے مذاق کو نظرانداز کردیا۔ ”میرا مطلب تھا کہ جدی پشتی خالص آفریدی پٹھان... خیبر ایجنسی سے ہے میرا تعلق۔“

”ایسا لگتا تو نہیں۔“

”میرا قبیلہ پہلے وہاں آباد تھا اب تو میرے فیملی ممبر کراچی، لاہور سے آگے امریکا، کینیڈا تک آباد ہیں... مگر اصلاً اور نسلاً ہم وہی ہیں۔“

”وہی روایتی پٹھان... طرہ مونچھ اور سات گز گھیر کی شلوار... سینے پر گولیوں کا میگزین... رائفل اور نسوار۔“

”خوامخواہ ہمیں بدنام مت کرو... ہم سے زیادہ باصلاحیت اور ترقی یافتہ قوم اور کوئی نہیں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے سر کھجایا۔ ”خاتون! اس دعوے میں خاصا شاعرانہ مبالغہ ہے۔“

”بالکل نہیں... ایوب خان، نور خان، یحییٰ خان کو لو... پھر عمران خان اور ورلڈ اسکواش کنگ جہانگیر خان کی پوری فیملی... روشن خان، ہاشم خان... ہے کوئی ان کی ٹکر کا، پھر فلم انڈسٹری کو لے لو، شاہ رخ خان... سلمان خان... عامر خان... سیف علی خان اور مزید کئی خان... اس سے بہت پہلے یوسف خان عرف دلیپ کمار... ممتاز بیگم عرف مدھو بالا... اور موسیقی نواز... علی اکبر خان... سر: نواز... بسم اللہ خان... شہنائی نواز... عبدالحلیم، جعفر خان ستار نواز... ذاکر خان طبلہ نواز... اور اس سے بہت پہلے آفتاب موسیقی فیاض خان... عبدالکریم خان اور پاکستان میں مہدی حسن...“ اس نے پٹھان قوم کی جذباتی ترجمانی جاری رکھی۔

میں نے فوراً ہاتھ جوڑ دیے۔ ”میں مانتا ہوں دلیل کے بغیر بھی۔“

”جوتے پالش کرنے والے سے لے کر خیبر ایجنسی کے ڈھائی سو بیڈ والے محل کا مالک... چائے پراٹھا سے کڑاہی گوشت تک... کباڑی بازار سے لے کر ٹرانسپورٹ بزنس تک... کون کرسکتا ہے ان کا مقابلہ... خیر...“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”میرے جیسی لڑکیاں باہر بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ میرے کچھ کزن امریکا، کینیڈا میں ہیں۔ ایک چچا نیٹو فورسز کو آئل سپلائی کرتا ہے... دوسرا اسلحہ...“

”کیا میں رومانٹک انداز میں تمہارا نازک ہاتھ تھام کے معافی مانگ سکتا ہوں اور ایک درخواست کرسکتا ہوں؟“

”ڈراما مت کرو... کیا کہنا ہے... کہو...“

”ایک تو میں بزدل ہوں... پھر تم نے خود کو جینوئن آفریدی ثابت کردیا ہے اس لیے میں اجازت لے رہا ہوں... تم نے یہ سب پہلے بتایا ہوتا تو میں کب کی تمہاری پروموشن کرچکا ہوتا... تم محبوبہ ہوتیں اور صائمہ قائم مقام... اس صحافت میں جھک مارنے کے بجائے میں تمہارے چچا کے بزنس میں پارٹنر بن کے لاکھوں میں کھیلتا۔“

وہ شرارت سے مسکرائی۔ ”موقع تمہیں اب بھی مل سکتا ہے... مگر سوچ لو... جان کی بازی لگانی پڑے گی... میرا منگیتر قبائلی علاقے سے تم پر راکٹ داغ دے گا۔“

”تمہارا منگیتر... یعنی تمہارے مستقبل کے مجازی خدا کی پوسٹ کے لیے کاغذات نامزدگی داخل کرچکا ہے کوئی؟“

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔ ”اور وہ بلا مقابلہ منتخب بھی ہوگا... بلکہ ہوگیا... یہ ہے اس کی تصویر... نام ہے گلباز خان۔“

غزالہ نے بیگ کے کسی خفیہ خانے سے ایک تصویر برآمد کرکے میری طرف بڑھائی۔ ”یہ ہے۔“ میں نے سوٹ والے ایک خوش شکل چھ فٹ قد کے خطرناک حد تک توانا آدمی کو دیکھا جو مجھے بہ آسانی سوکھی لکڑی کی طرح توڑ سکتا تھا۔ وہ ایک کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا اور ایسی کار ابھی تک میں نے خواب میں دیکھنا بھی شروع نہیں کی تھی۔

”یہ ہے تمہارا منگیتر؟“

اس نے اداسی سے اقرار میں سر ہلایا۔ ”اور یہی ہے میرا مسئلہ... جو جان کا روگ بنا ہوا ہے میرے لیے۔“

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے جواب میں مجھے کیا کہنا چاہیے۔ ”ڈاکٹر صاحب... میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے دماغ کا معائنہ کرائیں۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو فخر و غرور میں اس کا پوسٹر اٹھائے پھرتی... اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات کیا ہوسکتی ہے لڑکی؟“

اس کا چہرہ فکرمندی میں ڈوبا رہا۔ ”بزدل... وہ یہ دماغ کا نہیں دل کا معاملہ ہے۔“

مجھ پر کپکپی طاری ہونے لگی۔ ”دیکھو... خدانخواستہ تم مجھ پر فریفتہ ہو یا ڈورے ڈال رہی ہو تو سمجھ لو کہ تمہارے اس منگیتر سے پہلے صائمہ مجھے کوئی زہر کا انجکشن لگا کے ہلاک کردے گی۔ پوسٹ مارٹم میں کچھ پتا نہیں چلے گا۔“

”میں کسی کا حق نہیں مار سکتی... اور معاف کرنا... کچھ عقل بھی ہے میرے پاس جو صائمہ کے پاس ہوتی تو وہ بھی کسی ٹیلی فون پول کو پسند نہ کرتی... مگر...“ اس نے پھر ایک آہ بھری۔ ”یہ دل کا معاملہ ہے... اور دل تو پاگل ہے... میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔“

میں نے اس کے بیان کا برا نہیں مانا۔ ”اچھا وہ کون ہے؟ میرا قائم مقام رقیب۔“

اس نے پہلی تصویر واپس لے کر بیگ کے خزانے میں سے دوسری تصویر برآمد کی اور مجھے پکڑادی۔

ایک لمحے کے لیے مجھے دھوکا ہوا کہ میں اس بنگالی جوس مرچنٹ کا کوٹ پتلون والا ایڈیشن دیکھ رہا ہوں جو شاید کسی کیمرا ٹرک سے ایک فٹ لمبا کردیا گیا ہے... میرے حلق سے آواز بھی مشکل سے نکلی۔ ”یہ... دیکھنے میں تو انسان کا بچہ لگتا ہے... مگر؟“

”بزدل...“ اس نے تصویر مجھ سے چھین لی۔ ”تمہیں میری بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں... مجھے تمہاری مدد چاہیے۔“

میں نے اپنا سر تھام لیا۔ ”صائمہ نے بھی آج تک نہیں بتایا تھا... ورنہ... خیر، اجازت ہو تو تمہاری بات سننے سے پہلے میں ایک کپ کافی کا پی لوں تاکہ میرا دماغ کچھ کام کرنے لگے۔“ اور ویٹر کو کافی لانے کے لیے کہا۔

”اس راز کو راز رکھنا، میری زندگی بچانے کے لیے ضروری تھا... صائمہ جانتی تھی... اب تم نے جان لیا ہے... لیکن جس دن گلباز خان کو یہ بات معلوم ہوگئی، وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا... اور شاید تمہاری زندگی کا بھی۔“

میں نے رو کے کہا۔ ”بی بی... میرا کیا قصور ہے آخر...“

”تم نے پانچ سال سے قائم مقام محبوبہ کے عہدے پر جو فائز کر رکھا ہے مجھے... اور وہ انتہائی غیرت مند ہے... گلباز خان۔“

میں نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔ ”اس وقت بقول شاعر... جگر چھلنی ہے دل گھبرا رہا ہے اور خود میرا جنازہ جا رہا ہے گویا... تم جانتی ہو میں بزدل ہوں... اس غیور کے سامنے آنے سے پہلے مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ نکاح یا خودکشی... جلد از جلد... مگر مجھے پہلے یہ بتا دو کہ بقول شاعر... دل تو پاگل ہے دل دیوانہ ہے، تو اب تک تم اس نمونے کے ساتھ فرار ہو کے مسکٹویا ہونولولو کیوں نہیں چلی گئیں؟“

”اب تم سیریس ہو کے میری بات سنو... ہم انتہائی تعلیم یافتہ اور ماڈرن ہونے کے باوجود اپنی خاندانی اور قبائلی اقدار میں آج بھی وہی ہیں جہاں سو سال پہلے تھے یا ہزار سال پہلے... میری پیدائش کے فوراً بعد میرے والد اور تایا نے گلے مل کر اپنے خونی اور خاندانی رشتے کو مزید استوار کردیا... میری منگنی میرے تایازاد گلباز خان سے کردی گئی۔“

میں نے سوچ کے کہا۔ ”گویا پچیس سال پہلے۔“

وہ برا مان کے بولی۔ ”تم اعتراف کرانا چاہتے ہو میری عمر کا... کیا یہ پوچھنا کافی نہیں تھا کہ پرانی بات ہے لیکن بات کے پرانا ہونے سے رشتے میں تو فرق نہیں پڑ سکتا۔ میرے تایا اب اس دنیا میں نہیں... میرے والد ان کی جگہ قبیلے کے سردار ہیں۔ فیملی کی طرف سے ایک سال سے مجھے سمجھایا جارہا ہے کہ بس اب مجھے شادی کرلینی چاہیے۔ مجھے سمجھانے والے اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتے کہ... دل تو پاگل ہے دل دیوانہ ہے۔“

”اس بنگالی... میرا مطلب ہے بنگالی کے بڑے بھائی سے کہو تمہیں لے جائے دنیا کے اس ٹکڑے... جتنے بندہ نہ بندے دی ذات ہووے... آخر وہ ہے کون... کیا کرتا ہے؟“

”وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“

”لاحول ولاقوۃ... یار وہ کام کیا کرتا ہے... ابھی تک نام پتا تک تو بتایا نہیں اس مجنوں کے بھوت کا۔“

غزالہ نے کچھ شرمانے کی اداکاری کی۔ ”وحید مراد ارمان... ارمان تخلص ہے ان کا۔“

میں نے پھر اپنا سر پکڑ لیا۔ ”خدا کے لیے غزالہ! اس سے کہو کہ اپنا نام بدل دے... ذرا سوچو وحید مراد کتنے دلوں کی دھڑکن تھا۔ اس چاکلیٹی ہیرو کی روح کو کتنی اذیت ہوگی اور تخلص کا مطلب ہے کہ خیر سے جناب شاعر بھی ہیں... پھر بھی ارمان تو وحید مراد کی فلم تھی... اس سے بہتر تھا وہ اپنا تخلص ہیرا اور پتھر رکھ لیتا... ہیرا اصل وحید مراد... پتھر موصوف...“

غزالہ کے چہرے پر دکھ کی بدلی چھم چھم برسنے کے قریب ہوگئی۔ ”تم کو میرے جذبات کا کوئی احساس نہیں؟“

میں نے فوراً معذرت کرنا ضروری سمجھا۔ ”دیکھو... میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ یہ تو بس میری مذاق کی عادت ہے... آئی ایم سوری، ظاہر ہے تمہاری پسند اتنی غیر معیاری بھی ہوسکتی ہے... آخر صائمہ نے بھی تو میرے جیسے نمونے کو پسند کر رکھا ہے۔“

غزالہ نے پانی کا ایک گھونٹ لیا۔ ”وہ پہلے ہمارے میڈیکل کالج میں پروفیسر آف اناٹومی تھے۔“

”اب کیا کارپوریشن کی نالیاں صاف کرتے ہیں“ یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر لب تک نہیں آیا... اناٹومی عام زبان میں علم الابدان ہے اور پڑھاتا کون ہے جس کے اپنے بدن کی کوئی کل سیدھی نہیں۔

”جانِ من۔“ خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد میں نے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری پرابلم کیا ہے... ایسا ہی ہے تمہارا اور وحید مراد کا عشق تو پھر گڈ لک... ایک دوسرے کا ہاتھ تھامو اور نکل جاؤ... بقول فلمی شاعر... پیار کیا تو ڈرنا کیا... ساری دنیا تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے چشم براہ ہوگی۔ پیار کی ایک اور لازوال کہانی لکھو... نہ تمہیں وسائل کی کمی ہے... اور وسائل میں عقل بھی شامل ہے۔“

غزالہ نے کہا۔ ”میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے... آئس کریم منگواؤ۔“

”دیکھو... تم کافی استحصال کرچکی ہو میرا... مجھ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

مشورہ یا مدد مانگنے والے مجھے فیس ادا کرتے ہیں... تم مجھ سے فیس وصول کر رہی ہو مگر کیا کروں... تمہارا حسن سوگوار مجھ پر زیادہ اثر کر رہا ہے۔" میں نے ویٹر کو طلب کر کے آئس کریم منگوائی۔

"بات نہ قیمت کی ہے اور نہ وسائل کی... پاسپورٹ، ویزا ٹکٹ سب حاصل کیا جاسکتا ہے اور ہم واقعی کہیں بھی جا کے روپوش ہو سکتے ہیں لیکن تاریخ کا عبرت ناک سبق کچھ اور ہے۔ ہماری قبائلی روایات کچھ ایسی ہیں کہ رسم ورواج کی زنجیریں توڑ کر فرار ہونے اور خاندان کی غیرت کا جنازہ نکالنے والوں کا جنازہ نکالنا سب پر لازم ہو جاتا ہے۔ لواحقین بندوقیں، دوربین اور خوردبین... سراغ رسانی کے پلان اور عزمِ مصمم لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور خواہ اس میں نصف صدی بیت جائے... وہ گلی گلی نگر نگر ملک ملک کی ہوا میں اپنے لہو کی خوشبو کا سراغ لگا کے بالآخر مجرمان تک پہنچ جاتے ہیں... ان کی یہ حسِ سراغ رساں کتوں سے زیادہ پاورفل ہے۔"

"فی الحال میں تمہاری بات پر یقین کرتا ہوں... حالانکہ مجھے یہ ناممکن لگتا ہے۔"

"میں نہیں چاہتی کہ پچاس سال بعد جب میں بے فکر ہو جاؤں تو کسی دن گلباز خان سفید داڑھی، رعشہ زدہ ہاتھ میں رائفل لیے میرے شوہر... بیٹوں، بہوؤں اور پوتا پوتیوں کے سامنے نمودار ہو اور مصطفی قریشی کی طرح ڈائیلاگ بولے اور پھر دعائیں سے مجھے شہیدِ محبت بنا دے۔"

"چلو مانا یہ سب تمہاری فلمی پروازِ خیال نہیں... درحقیقت ایسا ہو سکتا ہے... ایسی صورت میں تمہارے لیے میرے دو ہی مشورے ہوں گے... تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر دو... ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کر لو۔"

"تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی... یہ تو سب ہی کہتے رہتے ہیں... مجھے تمہاری مدد چاہیے... پریکٹیکل۔"

"اچھا؟ اس رومانی خونی کہانی میں میرا رول کیا ہو سکتا ہے؟"

"تم جا کے گلباز خان سے بات کرو۔ اسے قائل کرو کہ وہ مجھ پر دعوے سے دستبردار ہو جائے۔"

میرے ہاتھ سے کافی کا مگ گر گیا اور مجھے اُچھو لگ گیا۔ "عزیزہ! کیا میں نے وہی سنا... جو تم نے کہا... ایسا ہے تو خدا حافظ... قائم مقام محبوبہ کے عہدے کے لیے میں "درخواستیں مطلوب ہیں" کا اشتہار دیتا ہوں... تم نے جو کہا... اس سے آسان یہ ہے کہ میں "کٹتے مار گلاب جامن" نوش فرما کے صائمہ کے قدموں میں جان دے دوں... یا ماؤنٹ ایورسٹ سے دیوار چین پر کود جاؤں۔"

غزالہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ "صائمہ نے کہا تھا کہ تم صرف نام کے بزدل ہو۔"

"ٹھیک ہی کہا تھا اس نے۔ میں ذرا بھی بہادر ہوتا تو اب تک اسے اغوا کرا کے عقد مسنونہ کر لیتا... گن پوائنٹ پر... اپنے حامی ڈاکوؤں سے میں یہ کام ہر وقت کرا سکتا ہوں۔"

غزالہ کا چہرہ پھر روشن ہو گیا۔ "یہ بھی ٹھیک ہے، تم خود کچھ نہ کرو... اپنے ڈاکو عقیدت مندوں سے کہو کہ یہ کارِ خیر وہ کریں... گلباز خان کو اٹھا لائیں۔"

"اور اس کے بعد؟ کیا گلباز خان کے جو والی وارث ہیں... وہ میرے یا تمہارے ساتھ کیا کریں گے... نہ بی بی۔ میں باز آیا ایسی محبت سے، اٹھا لو پاندان اپنا... اب چلو... صائمہ بھی ڈلیوری سے فارغ ہو گئی ہو گی اور مجھے بھی جانا ہے ڈیوٹی پر... کچھ دیر اور ٹھہرا تو تم ڈنر کی فرمائش کر بیٹھو گی۔" میں غزالہ کی مایوسی کی پروا کیے بغیر کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ روزنامہ "حقیقت ساز" میں یوم حساب کا سین تھا۔

مدیر اعلیٰ جناب تفنگ چنگیزی یعنی توپ صاحب ایک دیوار سے پشت لگائے بہت کچھ کر رہے تھے مثلاً وہ بید مجنوں کی طرح تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اپنے منہ کے مکسر میں بارہ مسالے والے پان کو بھی گھوٹ رہے تھے۔ عالمِ نزع جیسی کیفیت طاری کر کے اپنے دیدوں کو گول گول گھما رہے تھے۔

ان کے عین مقابل پانچ فٹ کی دوری پر ایک بندوق کی نال تھی جس کا رخ بظاہر ان کے دلِ داغ دار کی طرف تھا۔ بندوق بھی دوسری جنگِ عظیم میں کئی گورے کے ناپاک ہاتھوں سے جاپانی یا جرمنی فوجیوں کی ہلاکت کا سبب بنی ہو گی۔ بندوق تھامنے والے ہاتھوں میں بھی رعشہ تھا کیونکہ جس بدن سے یہ ہاتھ منسلک تھا توپ صاحب جتنا ہی قدیم تھا۔ وہ بزرگوار جو بہ آلۂ قتل تھامے توپ صاحب کو فائرنگ اسکواڈ کی طرح اس عالمِ فانی سے رخصت کرنے پر کمربستہ نظر آتے تھے... ڈر یہ تھا کہ تاخیر کی صورت میں خود اللہ کو پیارے نہ ہو جائیں۔ ان کی طبعی عمر یقیناً پوری ہو چکی تھی۔

اندر قدم رنجہ فرماتے ہی اس منظر پہ مجھے روایتی انداز میں پہلے رونا آیا پھر ہنسی آئی۔ ہونے والے قاتل اور مقتول کسی کامیڈی فلم کا کردار لگتے تھے لیکن ان کے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری تھی۔ قاتل اس گوراشاہی دور کی یادگار تھا جو بہت پرانی بلیک اینڈ وائٹ فلموں میں نظر آ جاتی تھی۔ اس نے ایک سولر ہیٹ لگا رکھا تھا اور ایک ایسا سوٹ پہن رکھا تھا کہ مجھے ضمیر جعفری کا شعر یاد آیا۔ کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ... مقتول اس تہذیب کا نمونہ تھا جو اب کہیں نہیں رہی سوائے تاریخی کتب کے حوالوں کے... اور اب بھی قاتل ولایت کی گم شدہ روایات کی تصویر تھا۔

میں نے لہجہ پرسکون رکھتے ہوئے پنجابی میں سوال کیا۔ "بزرگو! ایہہ کی ناٹک ہو ریا ہے۔"

قاتل کے حلق سے بیمار مرغ جیسی آواز نکلی۔ "ناٹک... یو فول... تمہاری جرأت کیسے ہوئی... کاش ہم رخ بدلے بغیر ایک گولی تمہیں بھی مار سکتے... اس دو نال والی شکاری بندوق میں میرے گریٹ گرینڈ فادر ہمیشہ دو گولیاں ڈال کے رکھتے تھے... ہم کرنل شوکی ہے... شوکت علی فرام انفنٹری۔"

"میں آپ کو اس کا موقع بھی دوں گا... اگر پہلی گولی چل گئی۔"

"واٹ؟ واٹ ڈو یو مین... یو ایڈیٹ... اس سے ہم نے کرنل جم کاربٹ کے ساتھ سندربن میں کئی آدم خور شیر شوٹ کیے۔"

"ضرور کیے ہوں گے... اب اس سے ایک چوہے کو مارنا کیا آپ کے شایانِ شان ہے کرنل؟"

توپ صاحب نے رقت انگیز لہجے میں کہا۔ "میاں بزدل! تم نے ہمیں چوہا کہا، اس پر ہم حشر میں دامن گیر ہوں گے۔"

پہلے میں نے کرسی پر بیٹھ کے کیس کی سماعت کا سوچا پھر بہتر سمجھا کہ قاتل و مقتول کو مذاکرات کی میز پر لاؤں... کسی دشواری یا رسک کے بغیر میں گولی اور ہدف کے درمیان حائل ہو گیا۔ "کیا حرج ہے اگر شرفا کی طرح معاملات اصولی بنیاد پر طے کر لیے جائیں... کشت و خون کوئی شرفا کا قاعدہ ہے... مغل تہذیب کے علم بردار آپ ہیں محترم تفنگ چنگیزی صاحب اور برٹش سویلائزیشن کے پرفیکٹ جنٹلمین آپ کرنل شوکی... کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟"

کرنل نے چشمہ درست کر کے مجھے غور سے دیکھا اور پھر سر ہلایا۔ "آف کورس۔"

توپ صاحب نے منہ اوپر اٹھا کے فرمایا۔ "دریں چہ شک۔" پھر وہ جان کی پروا کیے بغیر کھڑکی کی طرف لپکے۔ ان کے منہ میں بارہ مسالے والے پان کے مکسچر کی مقدار ذخیرہ کرنے کی حد سے آگے بڑھ گئی تھی۔ بڑی پھرتی سے انہوں نے کرسی کے پیچھے والی کھڑکی کھولی اور منہ کا سارا خونی مواد فضا میں اگل کے اسی پھرتی سے بند کی جس کی انہیں بہت مشق تھی۔ پھر انہوں نے سکون کی وہ سانس لی۔

تب تک میں کرنل کو مذاکرات کی میز کی طرف لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر بیمار مرغ جیسی آواز نکالی۔ "یو سی... یہ پھر وہی کر رہا ہے جو اس نے کچھ دیر پہلے میرے ساتھ کیا تھا مسٹر... کیا نام تھا تمہارا... کچھ بنگ دل... شیر دل..." کرنل میرے دائیں طرف اچھلا۔

میں نے توپ صاحب کی کرسی پر قبضہ کر رکھا تھا چنانچہ بادلِ ناخواستہ وہ بائیں طرف والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ "یہ بزدل ہے۔"

"اوہ نو... یہ بہت بہادر ہے۔ یہ توپ کے دہانے پر آ کے بے خوفی سے کھڑا ہو گیا تھا۔"

میں نے کرنل کو یقین دلایا۔ "ایسا مشہور ہے... مگر آپ مجھے بدیع الزماں دلنواز لالہ موسوی کہنے میں آسانی محسوس کریں تو..."

کرنل کا جبڑا لٹک گیا۔ "اس میں تو بہت ٹائم لگے گا... تو مسٹر بزدل... اس کو میں نے رنگے ہاتھ... بلکہ رنگے منہ کے ساتھ پکڑا... ادھر ہمارا بیوٹی فل ہیڈ کو دیکھو... اسی وقت ہم اپنا ہیٹ اتارا تھا صاف کرنے کے لیے۔"

کرنل کے سر کی سطح ایک تربوز سے زیادہ چکنی تھی مگر اس پر گہرے سرخ رنگ سے غالباً برطانیہ کا نقشہ پرنٹ ہو گیا تھا۔ ساری بات میری سمجھ میں پہلے ہی آ چکی تھی۔ توپ صاحب کھڑکی سے رنگ کی پچکاری بڑی مہارت سے چلاتے تھے اور اس سے زیادہ مہارت اور پھرتی سے اپنا سر واپس اندر لا کے کھڑکی یوں بند کرتے تھے کہ آج تک اس کی زد میں آنے والے ان کا سراغ نہیں لگا پائے تھے۔ اوپر دیکھنے پر انہیں ایک جیسی پچاس کھڑکیاں دکھائی دیتی تھیں... کچھ کھلی تو کچھ بند... متاثرین میں سفید پوش بھی ہوتے تھے... برانڈڈ سوٹ پہن کر کار سے برآمد ہونے والی وینائیں اور میرائیں بھی... دہی بھلے نوش فرمانے والے ایک پہلوان کو اچانک پلیٹ میں لہو کی سرخی نظر آئی... ارادہ قتل لے کر اوپر تک آنے والوں میں دو تین ایسے بھی تھے جو عین جائے واردات پر پہنچ گئے مگر یہ کہتے گئے کہ۔ میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں... توپ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

صاحب غائب ہوجاتے تھے اوران کی کرسی پر طویل نورانی داڑھی والا کاتب سر جھکائے کام میں مصروف ملتا تھا جس کے اجلے دانت ثابت کرتے تھے کہ اس کی سات پشتوں میں کسی نے پان نہیں کھایا۔

آج توپ صاحب کا یومِ حساب یوں آیا کہ گوروں کے زمانے کا کرنل شوکی بجلی کے تار پر بیٹھی کسی چیل کا نشانہ لے رہا تھا۔ چیل کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ کرنل کو اندیشہ تھا کہ سر اٹھا کے اوپر دیکھنے سے اس کا کنٹوپ نالی میں گر جائے گا... میر صاحب زمانہ نازک ہے ... دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار... اس نے ہیٹ اتار کے ایک متروک ریڑھی پر رکھا ہی تھا کہ توپ صاحب کی لال اجابت اس کے سر پر نازل ہو گئی۔ اسے توپ صاحب کے رخِ انور کا اور اس کھڑکی کا جائزہ لینے کا پورا موقع ملا تھا جو فوراً بند بھی ہو گئی تھی۔ وہ سیدھا توپ صاحب کے مقتل تک آپہنچا۔

فریقین کے اپنے اپنے دلائل تھے۔ توپ صاحب بضد تھے کہ ان کا نشانہ کرنل کا سر نہیں تھا۔ وہ سر بیچ میں نہ لاتا تو کچھ نہ ہوتا چنانچہ ان پر قتلِ عمد کی طرح "رنگ اندازی عمد" کا جرم نہیں بنتا۔ جو ہوا حسن اتفاق تھا یا کرنل کی سوشل اندازی... کرنل اس کو قتلِ عمد سے زیادہ سنگین جرم قرار دیتا تھا کہ اس کے مقدس سر کو جس پر آج تک کسی چڑیا نے بیٹ کی خیرات نہیں کی یوں سرِعام لال تربوز بنایا جائے... میں نے قصاص کے اصول پر فیصلہ کیا اور دونوں کو اتفاق پر مجبور بھی کر دیا۔

فیصلے کی رُو سے اب کرنل شوکی بارہ مسالے والا پان کھا کے اسی طرح سرخ ملغوبا تیار کرے اور توپ صاحب نیچے عین اسی جگہ سرِتسلیم خم کریں جہاں کرنل کھڑا تھا۔ پھر کرنل کھڑکی سے ان کے سر کا نشانہ لے کر توپ صاحب سے ٹٹ فار ٹیٹ کرے۔ ظاہر ہے فیصلہ کرنل کو مہنگا پڑا۔ توپ صاحب نے اسے بارہ مسالے والے پان کی گلوری پیش کی اور خود نیچے نشانے پر سر جھکا کے کھڑے ہو گئے مگر دیسی گورا کرنل اپنی بتیسی میں گلوری کو بکری کی طرح کیسے پیستا... اس کے لیے برسوں کی ریاضت درکار تھی۔ بارہ مسالوں نے اس کو دو منٹ میں ہیروئن سے زیادہ مدہوش کر دیا۔ وہ میز پر لمبا لمبا لیٹ کر لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے اپنی وصیت پڑھنے لگا۔ اور کسی ناقابلِ فہم زبان میں کوئی دعا یا منتر دہرانے لگا۔ پھر توپ صاحب کے حکم پر سابق پہلوان بارلیش کاتب کرنل کا "جنازہ" کندھے پر اٹھا کے لے گیا۔ واپسی پر اس نے رپورٹ دی کہ کرنل کو اس نے چچو کی ملیاں جانے والی بس میں بٹھا دیا تھا۔ بتا دیا تھا کہ بابا بیمار ہے۔

خطرہ دور ہوتے ہی توپ صاحب نے آواز میں رقت پیدا کر کے میری طرف دردناک نظروں سے دیکھا۔ "افسوس برخوردار... آج وقت آیا تو تم نے حقِ نمک ادا نہیں کیا۔"

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ "جان ہتھیلی پر رکھ کے میں آپ کے اور فرشتۂ اجل کے درمیان آگیا۔ گولی لگتی تو میرے دلِ داغ دار میں... آپ کو پھر بھی گلہ ہے؟"

"تم پر واجب تھا کہ اس سے وہ آلۂ قتل چھین کے اسی کو توپ دم کرتے... مگر تم بزدل ہو۔"

"ایک دن یہ ہونا تھا توپ صاحب... خدا کے لیے اب بھی باز آجائیں ورنہ کسی دن گلباز خان آجائے گا۔"

وہ چونکے۔ "یہ کون گلباز خان کرائے کا قاتل ہے جس سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو؟"

میں نے انہیں ٹالا۔ "نام میں کیا رکھا ہے۔ وہ بازگل خان بھی ہو سکتا ہے... آپ باعزت طبعی موت مر سکتے ہیں لیکن آپ مقتول ہونے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

انہوں نے ایک آہ بھری۔ "میاں بزدل! عمر ساری محرومیوں، ناکامیوں اور اداسیوں میں کٹ گئی۔ غمِ جاناں... غمِ دوراں... اپنا غم، تیرا غم جہاں کا غم... سب نے زندہ در گور رکھا... اب دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے... ایک یہ نام کا اخبار... ایک تم اور ایک یہ شغلِ بارشِ رنگ..."

ظاہر ہے اب وہ ناقابلِ اصلاح ہو چکے تھے۔ میں نے درخواست ان کے سامنے رکھ دی۔ "مجھے چھٹی چاہیے... غیر معینہ مدت کے لیے۔"

توپ صاحب کے حلق سے جو قہقہہ برآمد ہوا وہ ڈبل زردی کا انڈا دینے والی مرغی کی فریاد جیسا تھا۔ "غالباً تم ملازمت کے نام پر ایسی ہی چھٹی سے مستفید ہو رہے ہو... پھر بھی پوچھنا ہم پر فرض ہے کہ کیا جو ناممکن تھا وہ ممکن ہو گیا ہے۔ وہ دور اندیش، غیر جذباتی مسیحا جو تمہارے دامِ الفت میں گرفتار تھی... عقدِ مسنونہ کی خودکشی پر رضامند ہو گئی ہے۔"

"ایسی کوئی امید نہیں... وہ مجھے خیبر ایجنسی بھیج رہی ہے۔"

"بھئی سبحان اللہ... کیا ذہانت پائی ہے اس نیک بخت نے... تمہیں زہر کا انجکشن لگانے کا رسک کیوں لے... اور طالبان کے ساتھ اس جہاد فی سبیل اللہ سے تمہیں بھی شہادت کے منصب پر فائز ہونے کی سعادت حاصل ہو گی..."

"آپ صرف یہ بتایئے کہ وہ جو آپ کا فاترالعقل عقیدت مند تھا... مولوی سبحان اللہ... وہ وہیں تھا۔"

"اب وہاں اس کی قبر ہے۔" توپ صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ "شہید کے لیے دعا کرو... تاکہ کل تمہارے لیے بھی ہو۔"

"توپ صاحب... میں ایک مصالحتی مشن پر جا رہا ہوں بلکہ بھیجا جا رہا ہوں۔ صائمہ نے ذاتی گھر کی شرط سے دستبردار ہو کے یہ جان لیوا شرط عائد کر دی ہے۔ کامیابی ہو نہ ہو... میں گلباز خان سے بات کروں گا۔"

توپ صاحب نے ایک نئی گلوری کی تیاری کے لیے لوازمات نکالے۔ "میاں بزدل! یہ نام ہم دوسری بار سن رہے ہیں تمہارے لبوں سے... آخر کون ہے یہ ذاتِ شریف...؟"

اگرچہ ابھی صائمہ نے صرف اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں غزالہ کے مسئلے کو جیسے چاہوں حل کروں کیونکہ اس کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال ہے مگر اس کے تیور بتاتے تھے کہ وہ مجھے حکم بھی دے سکتی ہے اور ٹرمپ کارڈ یعنی میری لگام بہرحال اس کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ توپ صاحب سے میں نے صرف تمہید باندھی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مولوی سبحان اللہ کے کندھے پر رکھ کے بندوق چلانے سے شاید میری وفات ہلاکت یا شہادت ٹل جائے لیکن مولوی پہلے ہی نچا دے کر اوپر جا بیٹھا تھا۔

گلباز خان کا ذکر خیر ابھی جاری تھا کہ میرا فون گنگنانے لگا۔ اب نام کی جگہ اس پر عکسِ رخِ یار سامنے آجاتا تھا۔ میرے بولنے سے پہلے ہی اس نے پوچھ لیا۔ "کیا کر رہے ہو؟"

"حسبِ معمول وہی جو مجھے نہیں کرنا چاہیے... یعنی تمہیں یاد کر کے خون کے آنسو بہا رہا تھا۔"

"میں نیچے گاڑی میں بیٹھی ہوں... کتنی دیر میں اترو گے؟"

"انشاء اللہ صبح تک... ہارس پاور والی چنے کی دال روٹی کے ساتھ یہاں ادھار بھی مل جاتی ہے... تمہیں ڈنر پر لے جانے سے منہ چھپانا بہتر ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو... توپ صاحب سے لو... تمہارے واجبات ہیں لاکھوں کے۔"

"کیسی انہونی باتیں کرتی ہو بلبل جان... توپ صاحب سے جان مانگنا آسان ہے... مال لینا ناممکن۔"

"اچھا بابا... تم آؤ تو سہی... بھوکے کو کھانا کھلانے کا ثواب میں کما لوں گی۔"

میں نے کہا۔ "تو سمجھو میں ابھی ٹپکا۔" اب اچانک میرے دل میں پیار کے جذبات یوں بیدار ہو گئے جیسے الیکشن کے نام پر لیڈر کے دل میں قوم کا درد بیدار ہو جاتا ہے۔ غالباً باہر رات بھی جوان تھی اور چاند بھی بادلوں کی لوڈشیڈنگ کے باوجود چمک رہا تھا۔ میں اٹھا ہی تھا کہ توپ صاحب نے گول دستے والی واکنگ اسٹک میرے گلے میں ڈال دی۔

"ایسے کیسے برخوردار... مال مسالا نکالو ورنہ اس سے کہو بقول شاعر... کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر۔"

میں نے جیب سے ایک کاغذ نکال کے لہرایا۔ "ہزار روپے صرف۔"

توپ صاحب نے للچائی نظروں سے دیکھ کے منہ اٹھایا اور منہ میں بھری پیک کے ساتھ کچھ غرارے کیے۔ "دس روپے لے لو ابھی۔"

میں نے کہا۔ "بولی دس فیصد کے حساب سے بڑھتی جائے گی... گیارہ سو... یا کل قطعے کے بغیر جانے دیں ایڈیشن۔"

رات کے وقت خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ توپ صاحب نے کھڑکی سے منہ نکال کے خون اگلا اور پھر شیروانی کی اندرونی جیب میں سے گیارہ سو کے نوٹ دو بار گن کے میرے حوالے کیے۔

کاغذ ہاتھ میں آتے ہی توپ صاحب کے حلق سے صدائے تلخ جیسا قہقہہ برآمد ہونے سے پہلے میں سیڑھیاں اتر چکا تھا۔ اس کی ڈبیا جیسی کار میں سرنگوں بیٹھنے سے قبل ہی میں نے اس کی چھت کی اجلی سفید سطح پر وہ لہو رنگ گلکاری دیکھ لی تھی جو توپ صاحب نے اپنے منہ کے اگالدان سے فرمائی تھی لیکن صائمہ ہنوز اس سے بے خبر تھی۔ ایک رومانٹک رات اور ساحلِ سمندر کی لہروں پر بکھری چاندنی میں ڈنر کے خیال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے فوراً اس المناک واقعے کی خبر دینا ضروری نہیں سمجھا اور بڑی سعادت مندی سے سر جھکائے بیٹھا رہا حالانکہ اس طویل سفر میں کم سے کم دس بار میرا سر کسی اسپیڈ بریکر پر سے گزرتے ہوئے ٹن سے چھت کے ساتھ لگا تھا اور میری گردن کے مہرے فریاد کر رہے تھے۔ مجھے بڑی مسرت آمیز حیرانی ہوئی جب کلفٹن کے ساحل نما گاڑیوں کے درمیان اپنی منی سی ڈبیا کو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

فٹ کرتے ہوئے اس نے یہ خونی منظر دیکھا مگر خفا ہونے کے بجائے ہنس پڑی۔

”یہ تمہارے انہی توپ صاحب کی حرکت ہوگی... پتا نہیں اب تک وہ مقتول کیوں نہیں ہوئے۔“

میں نے سر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ”آج ہو جاتے... بس خدا نے مجھے بروقت بھیج دیا اور میں نے فرشتۂ اجل کو قائل کر کے واپس کر دیا۔“

اس نے ایک ادائے ناز سے سر کے بالوں کو جھٹکا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ اور تب مجھ کور چشم کی نظر نے اس اہتمام کا مشاہدہ کیا جو آج صائمہ نے لباس اور آرائشِ حسن میں کیا تھا۔ میں نیم مدہوشی کی کیفیت میں اس نیمل تک گیا جو ریت پر تھی مگر کوئی شریر موج اٹھکیلیاں کرتی اس کے قدموں تک آجاتی تھی۔ ویٹر نے ہمارے درمیان ایک شیشے کے جار میں روشن کینڈل لا کے رکھی تو میں نے نظر جما کے صائمہ کو دیکھا اور شاید پلک جھپکانا بھول گیا۔

اس نے شرما کے کہا۔ ”ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔“ تو میرا دل لوٹن کبوتر ہو گیا۔

”کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں... میری نظریں خیرہ ہو گئی ہیں۔“

اسی وقت مؤدب ویٹر پھولوں کا گلدستہ لیے نمودار ہوا اور مؤدبانہ جھک کے صائمہ کو پیش کیا۔ ”ہیپی برتھ ڈے ٹو یو میڈم۔“ اور واپس لوٹ گیا۔

صائمہ نے کسی سحر زدہ کی طرح چاندنی سے اجلی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھا۔ ”تمہیں... یاد تھا...“

”ابھی میرے یاد رکھنے کے لیے یہی ایک دن تو ہے جانم۔“ میں نے کھڑے ہو کے سر نیاز خم کیا۔ ”ایک اور دن کا مجھے انتظار ہے ابھی۔“

حیا اور خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ ”اور کون سا دن ہوگا؟“

مجھے یقین تھا کہ وہ جانتی تھی لیکن اس سوال کا جواب وہ مجھ سے سننا چاہتی تھی۔ ”جس دن کے آسرے پہ ہر دن گزر رہا ہے۔“ میں نے کہا اور اپنی جیب میں سے ایک مخملی ڈبیا برآمد کی۔

وہ شرما کے ہنسی۔ ”کیا کر رہے ہو... لوگ دیکھ رہے ہیں۔“

میں نے بہ آواز بلند ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے حضرات و خواتین کو مخاطب کیا۔ ”لیڈیز اینڈ جنٹلمین... آپ سب گواہ ہوں... آج اس لڑکی کی برتھ ڈے پر میں اس سے دائمی رفاقت کے رشتے کی توثیق کر رہا ہوں۔“ پھر میں نے آہستہ سے اس کا نازک ہاتھ تھاما اور اس میں جگ مگ کرتی ہیرے کی انگوٹھی پہنا دی۔ چند لوگوں نے خوش دلی سے تالی بجائی... ایک نوجوان اٹھ کے ہمارے قریب آیا۔

”اس مبارک دن پر میں آپ کو اس خوش قسمتی پر مبارک باد دیتا ہوں۔“ اس نے انگریزی میں کہا۔ صائمہ کی طرف سر خم کیا اور واپس چلا گیا۔ صائمہ پلک جھپکائے بغیر ساکت بیٹھی رہی۔

اس نے پھر کہا۔ ”تمہیں یاد تھا۔“ اور انگوٹھی کو غور سے دیکھا۔ صائمہ کے گالوں کی لالی اب چاندنی میں بھی چمکنے لگی تھی۔ خلاف توقع اس نے میری پبلک پرفارمنس پر کسی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ ”بیوٹی فل۔“

ویٹر پھر نمودار ہوا اور اس نے پلیٹ میں سجا ہوا چھوٹا سا خوب صورت کیک درمیان میں رکھ دیا۔ خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ صائمہ نے نازک سی چھری اٹھائی اور کیک کاٹ کے درمیان کی شمع کو پھونک مار کے بجھا دیا۔ آس پاس کچھ لوگوں نے گانا شروع کیا۔ ”ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔“ فرطِ مسرت سے سرشار صائمہ چاندنی کے ساتھ ساحل پر اتری کوئی مخلوق نظر آنے لگی۔

میں نے ایک پیس لے کر باقی کیک ویٹر کے حوالے کر دیا۔ ”یہ سب دوستوں تک لے جاؤ۔“ وہ سب اجنبی تھے جن کو میں نے اپنی خوشی میں شریک کیا تھا۔

ڈنر کے بعد ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پانی کی لہروں پر چلتے دور نکل گئے۔ صائمہ نے نازک جوتے اپنے ہاتھ میں اٹھا لیے تھے۔ اسے اتنا خوش میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رات کے بارہ بجے جب تاریخ بدل چکی تھی، اس نے اپنی گاڑی قطار سے نکالی۔ ”تھینک یو ویری مچ... تم نے اس دن کو یادگار کر دیا۔“ اس نے میرے کندھے پر سر ٹکا کے کہا۔

خوشبو نے مجھے مدہوش سا کر دیا تھا۔ میں نے آہستہ سے اسے چوما۔ ”میں ایک اور یادگار دن کے انتظار میں ہوں۔“

اس نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ ”وہ دن ضرور آئے گا... اور بہت جلد۔“

اس رات میں کسی پرندے کی طرح روشن آسمانوں... گل رنگ وادیوں اور خواب سے سجی کرنوں کے ساتھ پرواز کرتا رہا...

ایسی خوب صورت سپنوں سے سجی رات کا انجام ایک

ایسی صبح پر ہوگا جو مجھے حقائق کی سنگین دنیا میں اتنی بے رحمی سے کھینچ لائے گی، یہ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ میرے سب ہی جاننے والے یہ جانتے تھے کہ میری صبح بھی دوپہر کے ساتھ ہی ہوتی ہے چنانچہ فون پر گالیاں کھا کے بے مزہ ہونے سے سب بچتے ہیں... نہار منہ دس بجے دروازے کو توڑنے کی نیت سے بجانے والی جرأت صرف صائمہ کر سکتی تھی۔

مختصر ترین انڈر ویئر کے لباس شب خوابی میں مجھے دروازے تک دوڑ لگانی پڑی۔ صائمہ ایک بگولے کی طرح اندر داخل ہوئی۔ میری نیم عریانی پر اس نے حسبِ معمول نگاہ ہی نہیں ڈالی۔ جب میں باتھ روم سے جامۂ انسانیت میں منہ دھو کے باہر آیا تو اس کی ناصحانہ تقریر جاری تھی جو مجھے واش روم میں بھی شارٹ ویو نشریات کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ موضوع ہمیشہ کی طرح وہی تھا۔ میری کباڑی پن کی عادت اور ناقابلِ علاج پھوہڑ پن... اِدھر اُدھر پھیلے کپڑوں کو سمیٹ کر اپنی اپنی جگہ رکھنے کے بعد وہ ہفتے بھر کے استعمال شدہ برتن... چائے کے کپ... سگریٹوں سے بھری ایش ٹرے... پلیٹیں اور چمچے جو فرش پر بھی پھیلے ہوئے تھے، تکیے کے نیچے سے بھی برآمد ہو رہے تھے ٹی وی پر بھی سجے ہوئے تھے... سب کو وہ دھونے کے لیے کچن کے سنک پہنچا رہی تھی۔ حسبِ توقع اس نے چائے کے لیے پانی ابلنے رکھ دیا تھا اور ناشتے کے دیگر لوازمات بھی تلاش کر لیے تھے۔ ڈھیٹ بن کے خاموشی سے سب دیکھنے اور سننے کے سوا میں کر بھی کیا سکتا تھا۔

جب اس نے ناشتا میرے سامنے رکھا تو پوچھا۔ ”مجھے لگتا ہے پرسوں ہی یہاں چنڈال چوکڑی جمع تھی۔“

میں نے ہنس کے کہا۔ ”ہاں تھی... پھر؟“

”یہ چائے کے کپ میں سگریٹوں کے مختلف برانڈ کے ٹوٹے... گندا تولیا... چادر سے صاف کیے گئے سالن بھرے ہاتھ اور تکیے کے غلاف پر گھٹیا خوشبودار تیل۔“

”دیکھو... وہ میرے دوست... جگری اور لنگوٹیے یار ہیں... ان کے خلاف میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

خلافِ معمول اس نے کچھ نہیں کہا اور اپنے مطلب پر آتے ہوئے کہا۔ ”تم سے غزالہ نے بات کی تھی... گلباز خان... اپنے منگیتر کے بارے میں۔“

”تمہاری اس عزیز سہیلی نے کم استحصال کیا میرا... کینٹین میں چنے کی دال کا لنچ کر لیتا تو اچھا تھا... لے گئی مجھے چائنیز... آخر وہ کیا سمجھتی ہے مجھے... میں اس کے لیے بھی جان کی بازی لگا سکتا ہوں... اتنی فالتو ہے میری جان...“

”ہمیں اس کو بچانا ہے گلباز خان سے... کل کوئی ایسی بات ہوئی کہ وہ اچانک پشاور چلی گئی اپنے ماں باپ کے پاس... بہت زیادہ اپ سیٹ تھی۔ کہنے لگی کہ وہی گلباز والی مصیبت ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اس سے کہو آیت کریمہ کا ورد کرائے... صدقہ خیرات سو بلاؤں کو ٹالتا ہے۔“

صائمہ نے مجھے شرمندہ کرنے والی نظروں سے گھورا۔ ”تم نے اسے دیکھا نہیں... میں ملی ہوں اس شہباز خان کے بیٹے گلباز خان سے... غزالہ جیسی لڑکی کا اس کے ساتھ ایک دن گزارہ نہیں ہو سکتا... زمین آسمان کا فرق ہے ان کے مزاج، عادات اور رویّوں میں... وہ ایک خوش حال آدمی ہے پڑھا لکھا ہونے کے باوجود... صرف پیسا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا نا... غزالہ مر جائے گی مگر اس سے شادی نہیں کرے گی۔“

”گویا مرنا اسے ہر صورت میں ہے۔ شادی کرے یا نہ کرے۔ ایسا ہے تو اللہ کی مرضی۔“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”یعنی تم کچھ نہیں کرو گے؟“

میں نے کہا۔ ”ایک کام کر سکتا ہوں جان کی بازی لگا کے... اس سے بھی عقد مسنونہ کر لوں... جو وہ چاہتی تھی اس سے زیادہ ناممکن ہے... اسے میں کیا سمجھاؤں اور کیسے... وہ کہتی ہے اغوا کرا لو۔“

میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ صائمہ کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ چند سیکنڈ میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ فون اسی کا ہے جس کا ذکر تھا۔ دو منٹ میں یک طرفہ ڈائیلاگ سن کے... صائمہ کے چہرے کا حال پریشان دیکھ کر اور اس کی بدحواسی دیکھ کے میں نے یہ بھی اندازہ کر لیا کہ غزالہ پر کسی آفت کا نزول ہوا ہے۔ وہ میرے اور صائمہ کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی اور مذاق کی بات اپنی جگہ... اسے میں قائم مقام محبوبہ کے منصب پر فائز نہ کرتا تب بھی اس صورتِ حال میں غزالہ کی خاطر جان کی بازی لگانا لازم ہوتا۔ وہ صائمہ کی واحد سب سے عزیز رازدار سہیلی تھی اور صائمہ اس کے لیے میری جان کی بازی لگا سکتی تھی۔

جب صائمہ نے فون بند کیا تو اس کی حالت مجھے غزالہ سے بھی زیادہ غیر لگی۔ ”کیا ہوا... کیا غزالہ نے اپنی جگہ تمہیں گلباز کو پیش کر دیا... اس علاقے میں ونی کا بھی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

رواج ہے۔"

"ہمیں آج ہی پشاور جانا ہوگا۔" صائمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "چلو اٹھو۔"

میں نے خود پر نظر ڈالی۔ "ان کپڑوں میں باہر جانا مشکل ہے... تم پشاور کی بات کرتی ہو۔"

"میں دیکھتی ہوں آج کون سی فلائٹ مل سکتی ہے۔" اس نے فون پر نمبر ملانا شروع کیا۔

"یار مجھے کچھ بتاؤ تو سہی... آخر ہوا کیا ہے؟"

صائمہ نے جیسے میری بات ہی نہیں سنی اور ایک کے بعد دوسرے نمبر پر سوال جواب میں لگی رہی۔ بالآخر وہ کامیاب ہوگئی۔

میں نے کہا۔ "تم میرے ساتھ جنگی قیدیوں سے بدتر سلوک کرتی ہو۔"

"چار بجے کی فلائٹ ہے اسلام آباد کی... وہاں سے ہم بائی روڈ جائیں گے... میں غزالہ کو بتا دوں؟"

میرا کچھ بھی کہنا لاحاصل تھا۔ غزالہ کے لیے میں کچھ کرسکوں یا نہیں... اب خوشی مجھے صائمہ کے ساتھ جانے کی ہورہی تھی۔ یہ ہوسکتا تھا کہ اس بہانے مجھے پورا ہفتہ اس کے ساتھ رہنے کا موقع مل جائے۔ پشاور کسی طرح بھی تفریح کے لیے آئیڈیل جگہ نہیں تھی لیکن یہ موسم بھی نہ برف باری کا تھا نہ گرمی کا اور نہ بہار کا... غزالہ کی بیان کی ہوئی صورتِ حال میں کوئی فیلڈ مارشل بھی کیا کرسکتا تھا پھر ایک بزدل، توپ چلاتا... مگر مجھے بکنگ کنفرم کرانے صائمہ کے ساتھ ائرپورٹ جانا پڑا... صائمہ نے بس یہ بتایا کہ غزالہ بہت رو رہی تھی اور اس نے کہا ہے کہ فوراً آجاؤ بزدل کے ساتھ... اب بارہ بج چکے تھے چنانچہ وقت کم تھا۔ صائمہ کے حکم پر میں نے اپنے لیے ضروری کپڑے ایک بیگ میں بھر لیے۔

یہ دوپہر کا ایسا وقت تھا جب ٹریفک زیادہ ہونے کے باوجود کم تھی۔ پھر بھی سول اسپتال تک جانے اور صائمہ کے تیار ہو کے سوٹ کیس کے ساتھ آنے اور ہمارے واپس ائرپورٹ پہنچنے تک قواعد و ضوابط کے تحت ملنے والی مہلت تمام ہوچکی تھی۔ فلائٹ ٹائم میں مشکل سے ایک گھنٹا باقی تھا۔ ہم چیک ان کر کے لاؤنج پہنچے ہی تھے کہ مسافروں کے جہاز میں تشریف رکھنے کا اعلان نشر ہونے لگا۔ فلائٹ ٹائم سے صرف بیس منٹ پہلے سیٹ پر بیٹھ کے صائمہ نے اطمینان کا سانس لیا اور بیلٹ باندھتے ہوئے میری طرف دیکھ کے مسکرائی۔

"تھینک یو... تم نے مجھے مایوس نہیں کیا۔" اس نے اپنے ہاتھ کو سامنے کر کے ہیرے کی جگمگاتی انگوٹھی کو بڑے پیار سے دیکھا... پھر کون کافر تھا جو اسے خطِ غلامی لکھ دینے پر بھی غرور نہ کرتا۔

ہم اسلام آباد کے لاؤنج سے نکلے بھی نہ تھے کہ صائمہ کا فون بجنے لگا۔ اس نے کہا۔ "اچھا... ٹھیک ہے... تھینک یو۔" اور پھر میری طرف دیکھا۔ "غزالہ کی گاڑی پشاور سے آگئی ہے ہمیں لے جانے کے لیے۔"

حیات آباد میں غزالہ کی جدید وضع کی کوٹھی کسی طرح بھی لاہور یا کراچی کے کسی پوش علاقے کی کوٹھی سے کم نہیں تھی اور کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے مکین آج بھی قبائلی علاقے کے مخصوص مزاج اور قدیم روایات پر کاربند لوگ ہیں اور گھر کا مالک آفریدی قبیلے کی کسی شاخ اور ذیلی قبیلے کا سردار ہے۔ گھر کی آرائش کا انداز بھی جدید تھا۔ ہمیں غزالہ باہر ہی ملی۔ اس کے چہرے کی اداسی ہی نہیں آنکھوں کی لالی بھی بتاتی تھی کہ اس نے گزشتہ رات سوتے نہیں روتے گزاری ہوگی... لیکن اندر جب اس کے سرخ سپید چہرے والے دراز قد اور کلین شیو والد سے ملاقات ہوئی جو قمیص پتلون میں تھے اور پھر غزالہ کی ماں سے جو دگنے وزن کی مگر گلابی چہرے اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی باوقار خاتون تھیں تو ان کے چہروں پر لکھی غم کی تحریر نے بھی مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں مدد کی کہ مسئلہ صرف غزالہ کا ہی نہیں۔

غزالہ کے والد نے شفقت سے کہا۔ "آپ لوگ بڑی دور سے آئے ہیں... پہلے فریش ہو کے کھانا کھالیں... غزالہ بیٹا! مہمانوں کو ان کے کمرے دکھاؤ۔"

صائمہ کو غزالہ نے اپنے بیڈ روم میں رکھا تھا اور میرے لیے گیسٹ بیڈ میں انتظام کیا گیا تھا۔

میں ابھی تیار ہوا ہی تھا کہ غزالہ ناک کر کے اندر آگئی۔ "صائمہ ابھی تیار ہورہی تھی۔ میں نے سوچا ایک ضروری بات تمہیں بھی بتا دوں... یہاں میں نے کہا ہے کہ آپ دونوں میاں بیوی ہیں... سوری... یہ جھوٹ بولنا ضروری تھا ورنہ میرے والدین پرانے خیالات رکھتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اچھا کیا پہلے بتا دیا... یہ آدھا سچ تو بہرحال ہے... مجھے بتاؤ سب خیریت ہے۔"

"ابھی تک کچھ ہے... اصل بات تو میں نے تمہیں بتا ہی دی تھی۔ اب ایک اور مشکل پیدا ہوگئی ہے۔ کھانے کے بعد امی ڈیڈی خود تمہیں بتائیں گے اور پلیز... یہ کراچی نہیں ہے... مجھ سے بات کرتے ہوئے بے تکلفی مت دکھانا۔"

"فکر مت کرو... مجھے خیال رہے گا۔"

کھانے کی میز پر بہت کم اور صرف رسمی بات ہوئی۔

"ہم تو بھئی کاروباری لوگ ہیں... میٹرک پاس کر کے کام شروع کیا تھا... اب اللہ کا فضل ہے بزنس باہر تک پھیلا ہوا ہے ہم نے بھی شہر میں رہائش لے لی مگر آبائی گاؤں سے رشتہ نہیں توڑا... توڑ بھی نہیں سکتے۔"

وقفہ آتے ہی غزالہ کی ماں نے موضوع بدل دیا۔ "کب ہوئی آپ کی شادی... ابھی بچے تو نہیں ہیں نا؟"

صائمہ کا رنگ لال ہوا... میں نے بال اس کے کورٹ میں پھینک دی۔ "بتاؤ بھئی۔"

صائمہ نے بڑی مشکل سے کہا۔ "ابھی... زیادہ دن نہیں ہوئے۔"

کھانے کے بعد غزالہ غائب ہوگئی۔ ڈرائنگ روم میں سبز قہوہ پینے والے ہم چار افراد رہ گئے تو غزالہ کے والد نے کہا۔ "یہ کچھ حساس معاملہ ہے... غزالہ نے کہا کہ آپ پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک کہا اس نے... مجھے آپ اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔"

یہ ڈائیلاگ کام کر گیا۔ صائمہ نے بھی مجھے تعریفی اور شکر گزار نظروں سے دیکھا۔

"دراصل... ماڈرن نظر آنے کے باوجود ہم پرانے خیال کے لوگ ہیں۔ حد درجہ روایت پسند۔ میں نے قبیلے کی روایت کے مطابق غزالہ کی نسبت بچپن ہی میں اپنے بڑے بھائی کے گھر کردی تھی۔ وہ قبیلے کے سردار تھے۔ پھر ان کا قتل ہوگیا اور یہ ذمے داری مجھ پر آگئی۔ غزالہ ڈاکٹر بن گئی کیونکہ اس کی خواہش تھی لیکن اس کے منگیتر گلباز خان نے زیادہ نہیں پڑھا۔ وہ بھی بزنس کرتا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ باہر سے کیا لاتا ہے اور یہاں سے کیا لے جاتا ہے... میرے خیال میں ہانگ کانگ، سنگاپور، دبئی سے سب وہی لاتے ہیں... عام استعمال کی چیزیں... کپڑے... کراکری... کاسمیٹک... جیولری... پھر وہ گاڑیاں لانے لگا... ری کنڈیشنڈ... اس میں کچھ لوگ گڑبڑ کرتے ہیں... یہاں سے چوری ہو کے جانے والی گاڑیاں وہاں سے ری کنڈیشن کر کے منگواتے ہیں۔ اس نے کراچی میں ایک شوروم قائم کرلیا تھا۔ میں اسے منع نہیں کرسکتا تھا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ یہ سو فیصد رسک فری کام نہیں ہے۔

ایسی کوئی بات کسی نے کبھی بھی نہیں۔ وہ اچھا خاصا دولت مند ہوگیا لیکن رہا میرا بھتیجا۔ مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھنے والا... ہمارے لیے تو وہ بہرحال بیٹا تھا۔ ایک وقت آیا جب اس نے ہمیں یاد دلایا کہ اس کی منگنی غزالہ سے ہوئی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ہم اسے رخصت کریں... ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔"

"غزالہ اسے بالکل پسند نہیں کرتی تھی؟" غزالہ کی ماں نے اچانک درمیان میں کہا۔

غزالہ کے والد نے خفگی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے... لیکن یہ معاملہ کچھ اور ہے۔"

"خود تم بھی اسے پسند نہیں کرتے... بات کھل کے کیوں نہیں کرتے؟"

"میں بتا رہا ہوں... سب بتا رہا ہوں... اگر کچھ چھپاؤں تو تم بتا دینا۔" شوہر نے ضبط کا مظاہرہ کیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "ہم نے گلباز سے کچھ مہلت مانگی تو اس نے کہا کہ مہلت وہ پہلے ہی کافی دے چکا ہے۔ غزالہ ڈاکٹر بن گئی... اس نے ہاؤس جاب کرلی... اب جاب کررہی ہے تو یہ غیر ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ اس تعلیم اور تجربے کو ہم بھی ضائع کرنا نہیں چاہتے... نوکری وہ مالی فائدے کے لیے نہ کرے... ہم یہاں ایک خیراتی شفاخانہ بنا دیتے ہیں۔ اس پر وہ راضی ہوگیا اور ہم نے کوئی مناسب جگہ حاصل کرنے اور اسے اسپتال کے ساز و سامان سے آراستہ کرنے کے لیے چھ ماہ مانگے... اس پر وہ راضی ہوگیا۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "ظاہر ہے غزالہ بھی مان گئی ہوگی۔"

وہ کچھ دیر چپ رہے۔ "میری بات ماننا اس کی مجبوری تھی۔ کیونکہ میری مجبوری یہ تھی کہ میں بچپن میں اپنے مرحوم بھائی کو زبان دے چکا تھا اور ہم اپنے قول سے مکر جانے اور بدعہدی کو غیرت کے منافی سمجھتے ہیں... پھر میں اب تک اس قبیلے کا سردار ہوں... حالانکہ قبیلہ اب سارے پاکستان بلکہ ساری دنیا میں بکھر چکا ہے... جو لوگ ملک چھوڑ کے چلے گئے ہیں انہوں نے باہر شادیاں بھی کرلی ہیں مگر جو یہاں ہیں وہ روایات سے بندھے ہوئے ہیں... گلباز کم تعلیم یافتہ ہے اور ایمان داری سے موازنہ کروں تو میری بیٹی غزالہ کے اور اس کے مزاج میں بہت فرق ہے... لیکن یہ فرق کہاں نہیں ہوتا... بعد میں سب ایڈجسٹ کرلیتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "آپ برا نہ مانیں تو میں ایک سوال

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کروں... بہت پرسنل... مگر آپ نے مجھے ذاتی معاملے میں ہی مشورے کے لیے بلایا ہے۔'' میں نے مدد کے لفظ کے استعمال سے گریز کیا۔

غزالہ کے والد نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''ویسے مجھے اندازہ تو ہے کہ تم کیا پوچھو گے۔''

''کیا غزالہ کسی اور کو پسند کرنے لگی ہے... دیکھیے میڈیکل کالجز میں طلبا اور طالبات پانچ سال ایک ساتھ رہتے ہیں کم سے کم... اور کراچی کا ماحول بھی بہت مختلف ہے۔''

''میں جانتا تھا تمہارا سوال یہی ہوگا... جواب ہے وہ جو تم جانتے ہو... مگر میری مجبوری ایک باپ کی عام مجبوری نہیں ہے جو کراچی میں، لاہور میں رہتا ہے یا ان قبائلی روایات میں جکڑا ہوا نہیں ہے... میں انکار کروں گا تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ بن جائے گا... میرے لیے بھی اور غزالہ کے لیے بھی... رسوا ہو کے مارے جانے سے بہتر ہے کہ ہم باعزت طور پر خودکشی کرلیں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا... اب زمانہ بدل گیا ہے۔'' غزالہ کی ماں نے کہا۔

''زمانے کی بات مت کرو... میں گلباز کو جانتا ہوں... وہ غزالہ کو بھی گولی مار دے گا اور مجھے بھی۔''

''اچھا ہوتا اگر تم نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانے دیا ہوتا۔'' غزالہ کی ماں نے آہ بھری۔

''اس سے فرق نہ پڑتا خانم... گلباز بھی باہر ہی رہتا ہے... پھر غزالہ ہماری ایک ہی بیٹی ہے۔ بیٹا تو باہر ایسا گیا کہ شاید ہمارا نام بھی بھول گیا ہوگا... بس لکھا ہوگا کہیں اس کے پاسپورٹ میں شاید۔'' غزالہ کے باپ نے ایک آہ بھری اور بیوی سے کہا کہ وہ کافی لائے۔

میں نے کہا۔ ''یہ بہت سخت آزمائش ہے آپ کے لیے... میں مانتا ہوں۔''

''بس بیٹا... اللہ پر سب چھوڑ دیا تھا میں نے... گلباز کو بھی سمجھاتا رہتا تھا اور غزالہ کو بھی لیکن اس کے بعد مجھے کچھ ایسی رپورٹیں ملیں کہ گلباز جعلی دستاویزات پر چوری کی گاڑیاں حاصل کرنے کے کسی کیس میں ملوث ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف انکار کیا۔ مجھے ایف آئی اے سے معلوم کرنے کے لیے کہا۔ ایف آئی اے میں واقعی کوئی کیس نہیں تھا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ رشوت دے کر کیس دبا دیا گیا ہے۔ میں نے گلباز سے کہا کہ وہ ری کنڈیشنڈ گاڑیوں کے بزنس کے علاوہ بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے وعدہ تو کیا مگر یہ کام چھوڑا نہیں۔ میں نے معلوم کیا دبئی سے اور کراچی سے تو گلباز کی گڈول اچھی نہیں تھی۔ لیکن کچھ بھی ثابت کرنا مشکل تھا۔ میرے نزدیک پیسا ہی سب کچھ نہیں ہوتا... یہی غزالہ بھی سمجھتی ہے۔ ہمارے لیے عزت زیادہ اہم ہے۔ جتنا ہے ہمارے پاس وہ کم تو نہیں... ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔''

خلافِ توقع صائمہ نے ایک سوال داغ دیا۔ ''آپ نے اس کے پرسنل کریکٹر کے بارے میں معلوم کیا کبھی؟''

میں یہ سوال کبھی نہ کرتا مگر صائمہ نے شاید پرسنل انفارمیشن کی بنیاد پر جو ایک سہیلی دوسری سہیلی کو ہی دے سکتی ہے یہ سوال کیا تھا۔ غزالہ کے والد نے قدرے توقف سے کہا۔ ''پیسا بڑی خرابیاں لاتا ہے خصوصاً ایسے ذرائع سے اور اچانک حاصل ہو جانے والا... پھر دبئی اب عیاشوں کی جنت ہے... میں جانتا ہوں کہ یورپ اور امریکا میں بھی کچھ پابندیاں ہیں... وہاں پیسے والوں کے لیے پابندی کوئی نہیں... مگر مجھے گلباز پر اعتماد تھا۔''

غزالہ کی ماں نے کافی میز پر رکھی اور بیٹھ گئی۔ ''جو دلدل میں گر کے خود کو کیچڑ سے بچا سکے وہ انسان نہیں فرشتہ ہوگا۔''

''جانے دو خانم... ہونے والے داماد کے بارے میں ایسی تفتیش کرتے ہوئے خود مجھے شرم آتی تھی کہ وہ پیتا پلاتا تو نہیں اور اس کا سوشل سرکل کیسا ہے... اس کے روز و شب کیسے گزرتے ہیں۔''

''یہ سب غزالہ ہی بھگتے گی نا... تم تو وہی پرانی بات کرو گے کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔''

''اچھا اب تم بات کرلو... میں اٹھ کے چلا جاتا ہوں... یا مجھے بات ختم کرنے دو۔''

میں نے کہا۔ ''آپ بولیں انکل... مائیں جذبات پر کنٹرول نہیں رکھ پاتیں۔''

صائمہ نے میری رائے کو مسترد کر دیا۔ ''بعض اوقات ان کی جذباتیت ہی حقیقت پسندی کا پہلو ہوتا ہے جسے آپ مرد حضرات اہمیت نہیں دیتے... غلط راہ پر جانے والے کے بعد میں لوٹ آنے کے امکانات سو فیصد کیسے ہو سکتے ہیں... یہ جوا بہر حال ہے اور غزالہ کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔''

غزالہ کی ماں نے ممنونیت کے ساتھ صائمہ کی طرف دیکھا۔ ''خدا نہ کرے ایسا ہو۔''

میں نے کہا۔ ''انکل... آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے... میں کیا کر سکتا ہوں اس معاملے میں؟''

''غزالہ نے کہا تھا کہ ایک معاملہ ایسا ہے جس میں تم سے مدد لی جا سکتی ہے۔'' غزالہ کے والد نے سکون کا سانس لے کر اپنی بات پھر شروع کی۔ ''تقریباً تین مہینے ہوئے... ایک عورت نے مجھے کال کی... کراچی کا نمبر تھا... اس نے پوچھا کہ کیا میں گلباز کا والد بول رہا ہوں۔ میرے ہاں کہنے پر اس نے کہا کہ میں گلباز کی بیوی ہوں۔''

صائمہ کے ساتھ میں چونکا۔ ''اس کی بیوی؟''

''یس... مگر اس کے ساتھ ہی کال کٹ گئی۔ یوں جیسے کسی نے کاٹ دی ہو۔ فون چھین کر یا اس عورت کے منہ پر ہاتھ رکھ کے۔ میں نے بعد میں اس نمبر کے بارے میں معلوم کیا تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ وہ بوگس نام اور پتے پر رجسٹرڈ سم تھی۔ اور اب کسی سبزی کی ریڑھی لگانے والے کے زیرِ استعمال تھی۔ اس نے چوری کا فون مارکیٹ میں کسی گھومتے پھرتے شخص سے لیا تھا۔ اس بات کا ذکر میں گلباز سے کیسے کرتا... کسی نے شرارت یا دشمنی کی تھی۔ الزام الٹا غزالہ پر آ جاتا... پھر؟ کانٹا میرے دل میں ضرور چبھ گیا مگر ایک ہفتے بعد جو معلوم ہوا سب لاحاصل تھا لیکن ایک مہینا بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے ڈاک سے ایک لفافہ موصول ہوا۔ اس میں سے ایک نکاح نامہ نکلا... نکاح نامہ دیکھ کے واقعی میرے ہوش گم ہو گئے۔ اس میں منکوحہ کا نام عائشہ صدیقہ... دختر پرویز مسیح لکھا تھا۔''

میں اور صائمہ پھر ایک ساتھ بولے۔ ''پرویز مسیح؟''

انہوں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے اس کا باپ کرسچن تھا۔ یہ کرسچن لڑکیاں جب کسی مسلمان سے شادی کے لیے اسلام قبول کرتی ہیں تو ان کے نام بھی خالص اسلامی رکھے جاتے ہیں۔ اس کے شوہر کا نام گلباز خان لکھا ہوا تھا۔ باپ کا نام بھی درست تھا اور پتا بھی۔ دوسری چونکا دینے والی بات حق مہر کی رقم دس لاکھ تھی۔ عام لوگوں میں اتنی بڑی رقم کہاں لکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شرائط میں اس کے نام رہائشی مکان بھی تھا جو کراچی کے کسی علاقے پی سی ایچ ایس میں تھا۔ مجھے کیسے اندازہ ہو سکتا تھا کہ پتا نامکمل ہے۔ وہ شاید نامکمل لکھا گیا۔ قاضی کی غلطی سے یا عمداً... مجھے کچھ نہیں معلوم... اس میں بلاک سکس بھی تھا مگر سب سے اہم مکان کا نمبر نہیں تھا۔ میں خود کراچی گیا خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر اور اس پتے پر پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہاں نمبر کچھ ایسے تھے کہ ایک عدد اور ایک انگریزی حرف... سولہ ایف یا بتیس آر... میں جھک مار کے واپس

آ گیا... نکاح نامہ رجسٹرڈ نہیں تھا۔ سیریل نمبر نہیں تھا کیونکہ فوٹو اسٹیٹ میں کاغذ چھوٹا تھا یا مشین چھوٹی تھی۔ گواہوں کے نام اور دستخط تھے مگر اور کچھ نہیں تھا۔''

میں نے کہا۔ ''دولھا دلہن کا شناختی کارڈ نمبر بھی ہوتا ہے عموماً۔''

''گلباز خان کا شناختی کارڈ نمبر تھا اور ٹھیک تھا لڑکی کا نہیں تھا۔ دراصل اس کی عمر تھی سترہ سال۔ کارڈ بنتا ہے اٹھارہ سال کی عمر میں۔''

''آپ نے خاصی جاسوسی کرلی اس کی۔''

''اگر میں کیس پولیس کو دے دیتا جو مشکل نہیں تھا تو وہ سراغ لگا لیتے شاید... مگر میں نے یہ رسک نہیں لیا کیونکہ مجھے بدنامی کی صورت میں زیادہ خرابی نظر آ رہی تھی۔''

صائمہ نے کہا۔ ''آپ نے غزالہ کو بھی نہیں بتایا انکل؟''

اس نے اعتراف کیا۔ ''مجھ میں ہمت نہیں تھی... اور میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں تھا۔''

''اسے معلوم ہوتا تو ہم پتا چلا لیتے۔ ہمارے میڈیکولیگل آفس کے پولیس والے ہر جرم کا سراغ لگا سکتے ہیں۔''

''مگر لگاتے نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''جب تک دباؤ نہ ہو۔''

''دباؤ بہت تھا۔'' صائمہ نے احتجاج کیا۔ ''ہم ڈاکٹرز تھے... اور تم تھے۔''

میں نے کہا۔ ''انکل آپ آگے بتائیں۔''

''میں واپس آ گیا مگر میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ گلباز خان سے ضرور پوچھوں گا اور میں نے پوچھا... لیکن ایک بنیادی غلطی ہوئی مجھ سے... میں نے کچھ کہے بغیر وہ نکاح نامہ اسے پکڑا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نے اپنے ردِعمل کو کنٹرول کرلیا۔ یا ردِعمل تھا ہی نہیں۔ پھر وہ چیخنے لگا اور بولا۔ ''چاچا! پتا نہیں کون دشمن میرے پیچھے لگ گیا ہے۔'' اور ایک دم نکاح نامہ کو پھاڑ کے پرزہ پرزہ کر دیا۔ میں کچھ نہ کر سکا۔ میں نے اس کی فوٹو کاپی بھی نہیں رکھی تھی۔ مجھے ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی اور جو گلباز نے کیا غیر متوقع تھا اور اچانک... اس نے مجھ سے کہا کہ میں ایسی فضول باتوں پر توجہ نہ دوں۔ ہو سکتا ہے مجھے کوئی کال کرے اور کہے کہ میں گلباز کی بیوی بول رہی ہوں... اب میں کیا کہتا کہ یہ کال تو پہلے ہی آ گئی تھی۔ ایسی صورت حال نے میرے لیے بڑی مشکل اور پریشانی پیدا کر دی ہے اور اس کا ذکر غزالہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کرتا تو زیادہ خرابی ہوتی... مجھے تو یہ احساس بھی ہے کہ میں نے گلباز سے کیوں بات کی۔ وہ بدگمان ہوا... اور نہ پوچھتا تو کیا کرتا... گھر کا معاملہ ہے... باہر کیسے لے جاؤں... اچانک غزالہ نے ایک دن تمہارا حوالہ دیا کہ اس کی سہیلی کے ایک شوہر بہت قابلِ اعتماد ہیں... شادی حال ہی میں ہوئی ہے۔"

میں نے کھنکھار کے صائمہ کی طرف دیکھا۔ "بالکل ٹھیک کہا اس نے۔" صائمہ کی نظر فرش سے نہیں اٹھی۔

"مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے خاصے تعلقات ہیں... صحافیوں کے ہوتے ہیں... ماشاء اللہ تم وکیل بھی ہو اور کچھ اپنی ذہانت سے تم نے لوگوں کے ایسے مسائل حل کیے ہیں جو بے حد ذاتی تھے اور اس کے اصرار پر میں نے تمہیں زحمت دی۔"

"زحمت کیسی انکل... گھر کی بات گھر میں رہنی چاہیے... مسئلے ہر گھر میں ہوتے ہیں۔"

بزرگوار کچھ جذباتی ہو گئے۔ "کاش میرے بیٹے تم ہوتے۔ وہ جو ہے خون کے رشتے سے... اس کا تو خون سفید ہو گیا ہے۔ ایسا میں نے کسی کو سب بھولتے نہیں دیکھا۔ اخلاقاً رسماً عید کارڈ یا فون کال تک نہیں ہے اب... ہمیں نہیں معلوم وہ ہے کہاں... اور اسے کب پتا ہوگا کہ ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے۔ سب کچھ اب غزالہ ہے ہمارے لیے... بیٹا بھی اور بیٹی بھی... اور تم واقعی ویسے ہی ثابت ہو رہے ہو جیسا اس نے بتایا تھا۔"

میں نے انکساری سے کہا۔ "ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا انکل... مجھ سے زیادہ توقعات وابستہ مت کریں... کیا پتا میں بھی کوئی مدد نہ کرسکوں آپ کی... لیکن معاملہ میری سمجھ میں آ گیا ہے اچھی طرح... اور میں کوشش ضرور کروں گا پوری... اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" رات بہت ہو گئی تھی۔ سب شب بخیر کہہ کے اٹھ گئے۔

اپنے بیڈروم میں جانے سے پہلے صائمہ کچھ دیر کے لیے میرے کمرے میں رکی۔ "بہت اترا رہے تھے۔"

میں نے سینہ فتح یاب مرغ کی طرح پھلا کے کہا۔ "تعریفیں کیا غلط ہو رہی تھیں... تم سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جلنے کی۔"

"دھواں نکل رہا تھا تمہارے کانوں سے... دنیا اعتراف کرتی ہے کہ میرے جیسا ہمہ صفت..."

وہ بھنّا کے بولی۔ "زیادہ ٹرٹر مت کرو... میں بتا دیتی نا تمہارے تعلقات کی نوعیت کہ سارے زمانے کے لوفر، جواری تمہارے یارِ غار ہیں... ایک کباڑی... ایک جیب کترا... اور تم ڈاکوؤں کے ساتھی ہو... مال میں حصہ بناتے ہو... تو سب ہیکڑی نکل جاتی۔"

"تو جاؤ اب بتا دو... ڈر کس کا ہے۔ اپنے مجازی خدا کے خلاف زہر اگلتی اچھی لگو گی، یقین کون کرے گا؟"

"مجازی خدا... مائی فٹ۔" وہ پیر پٹختی دروازے تک گئی اور پھر رک کے پلٹی۔ "پھر بھی... تھینک یو ڈارلنگ، تم نے میرا وقار رکھا... شب بخیر۔" جاتے جاتے اس نے میری طرف ایک فلائنگ کس اچھال دیا۔

اب یہی وہ ادائے ناز کے راکٹ کا ڈرون حملہ ہے جس سے صائمہ جیسی تمام حسینانِ عالم اپنے عشاق کے دل کا بار بار خون کرتی ہیں اور ان کو تمام جور و ستم کے باوجود مزید دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ میں نے ایک جست لگائی۔ "یاہو..." اور اندازے کی غلطی کے باعث بیڈ کے سینٹر میں لینڈ نہیں کیا چنانچہ میرا بے حد قیمتی اور قابلِ فخر اثاثہ یعنی میرا سر بیڈ کے سرہانے سے لگا اور صبح میں نے عین اپنی پیشانی کے وسط میں دیو کی تیسری آنکھ جیسا گومڑ ملاحظہ فرمایا۔ لیکن اسے نشانِ محبت کا میڈل قرار دیا۔ جو جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ محبت میں ترے سر کی قسم ایسا ہی ہوتا ہے... اپنا سر خراب ہوتا ہے۔

صبح میں عادت کے مطابق دوپہر میں ہونے والی صبح تک صائمہ کے ساتھ خوابوں کے وہ سیریل دیکھتا رہتا جن میں کچھ یقیناً سنسر سے اے سرٹیفکیٹ پاتے لیکن نہ جانے کیوں آنکھ کھل گئی۔ میں نے کچھ دیر کباب سیخ کی طرح کروٹیں بدلنے کے بعد اٹھ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہاتھ منہ دھوتے ہوئے اپنے سر کے درمیان بیڈ لائٹ جیسا ابھار دیکھا اور جسے کوئی اسلامی ٹوپی بھی نہیں چھپا سکتی تھی۔ صرف سکھوں کی پگڑی کام آتی۔ بشرطیکہ میں بزدل سنگھ ہوتا...

فضول خیالوں کو جھٹک کر میں نے دروازہ کھولا۔ کاریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ مجھے کافی کی طلب محسوس ہوئی مگر یہ خالہ جی کا گھر نہیں تھا کہ میں کچن میں گھس جاتا اور ساری کیبنٹ کی خاک چھان کے کافی ایجاد کر لیتا۔ میں کاریڈور کے راستے باہر نکلا تو ایک خوب صورت صحن چمن میرا منتظر تھا جس میں لان پر دو بلبلیں چہک رہی تھیں۔ یہ غزالہ اور صائمہ تھیں۔ وہ کافی بھی پی رہی تھیں۔ کسی سنگ دل حسینہ نے مجھے کافی پیش نہیں کی حالانکہ ایک مستقل محبوبہ تھی اور دوسری قائم مقام محبوبہ کی پوسٹ پر پانچ سال سے فائز تھی۔

بقول فلمی شاعر... محبت کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ قسمت ان پہ روتی ہے زمانہ ان پہ ہنستا ہے۔

تاہم اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس نے مجھ مسکین کے لیے آنٹی کو کافی دے کر بھیج دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ناشتے کی میز پر جب انکل سے ملاقات ہوگی تو شاید ان کا پہلا سوال یہی ہوگا کہ پھر تم نے کیا سوچا اور میرا جواب یہی ہوگا کہ ابھی تو میں نے سوچنا بھی شروع نہیں کیا۔

چنانچہ مجھے اور مجھ سے زیادہ صائمہ کو حیرانی ہوئی جب میں نے کہا کہ سب سوچ لیا ہے میں نے...

انکل نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "اچھا۔"

میں نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ آپ سمجھ لیں کہ ہم یہاں آئے ہی نہیں... اور آپ سے ملے بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی تو آپ مجھے گلباز کے بارے میں ضروری تفصیلات دے دیں۔ اس سے پہلے کہ کسی کو ہمارے یہاں آنے کی خبر ہو ہم نکل جاتے ہیں... آپ کی گاڑی ہمیں اسلام آباد لے جائے۔"

"لیکن اتنی جلدی تمہیں شاید فلائٹ نہ ملے۔"

"ہم اسلام آباد میں انتظار کر لیں گے... کسی ہوٹل میں... یا مری چلے جائیں گے... کیوں بیگم؟"

صائمہ نے مجھے قاتل نظروں سے دیکھا۔ "میرا خیال تھا... اور غزالہ کا بھی کہ..."

"اپنا خیال تو تم رہنے دو... یہ تمہارے مجازی خدا کا حکم ہے۔" میں نے کہا۔ "گناہ گار مت بنوا انکار کر کے۔"

صائمہ کے سوا سب مسکرانے لگے۔ "اچھا پھر یہ گاڑی تمہارے پاس ہی رہے گی... جب تک تمہیں فلائٹ نہیں مل جاتی۔" انکل نے کہا۔

آدھے گھنٹے بعد ہم واپسی کے لیے پھر جی ٹی روڈ پکڑ چکے تھے۔ صائمہ اس بیوی کی طرح بیٹھی تھی جو مجبوراً اسی گاڑی میں بیٹھ کے طلاق لینے شوہر کے ساتھ کورٹ جا رہی ہو... مگر مجھے اس کو منانا آتا تھا اور گاڑی میں خود چلا رہا ہوتا تو اس کے ہونٹوں پر صرف ایک پیار کی مہر کافی ہوتی۔ مگر ڈرائیور بے غیرتی کے اس مظاہرے پر غصے سے گاڑی دریائے کابل کے پل سے گرا دیتا۔ ہمارے پشاور میں بارہ گھنٹے کی رات کے قیام کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے فوری واپسی ضروری تھی۔

حسبِ توقع کراچی کے لیے دو دن تک کوئی سیٹ نہ تھی۔ یہ صائمہ نے خود کنفرم کیا۔ تب تک اس کے موڈ کو میں رومانٹک بنانے کے بارے ہنگامی اقدام کر چکا تھا۔ دو دن مری کی خواب ناک فضا میں خواب کی طرح گزارنے کے بعد واپسی کی فلائٹ میں صائمہ نے میرے کندھے پر سر رکھ کے کہا۔ "ایک بات بتاؤں؟ سیٹ تو تھی دو دن پہلے بھی۔"

ایک اور ڈرون اٹیک... قومی ائرلائن والے اجازت دیتے تو میں صائمہ کا ہاتھ پکڑ کے چالیس ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے بادلوں میں کود جاتا۔

☆☆☆

انسپکٹر رحمدل خان جس کو اس کی ذاتی صفات اور اصلیت کے باعث میں نے ظالم خان کا لقب دیتے وقت ایسا ہرگز نہیں سوچا تھا کہ ذاتی تعلقات کی یہ بے تکلفی کیا گل کھلائے گی۔ نہ جانے کیسے یہ شہرت عام ہوئی کہ اب اس کے ماتحت اور ساتھی بھی اسے اسی نام سے بلاتے تھے۔

حسبِ معمول تھانے کے اندر باہر خلقِ خدا یوں کھڑی تھی جیسے ماتم والے گھر کے باہر نظر آتی ہے۔ میں دندناتا ہوا اندر جا پہنچا۔

اس محرر سے اب تک میری ملاقات نہیں ہوئی تھی کیونکہ ظالم خان کی پوسٹنگ کے بعد میرا ادھر آنا نہیں ہوا تھا۔ میں اس کی میز پر ٹانگیں لٹکا کے بیٹھ گیا۔ "یار! یہ نئی گاڑی کس کی کھڑی ہے باہر... سیاہ ہنڈا سوک؟"

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "تیرے باپ کی..." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے سامنے چھ انچ کے فاصلے پر کھڑے ہو کے میں نے اپنی بتیسی چمکائی۔ "ابا نے بتایا تھا... ٹھیک ہے واپسی پر میں لے جاؤں گا... تمہارا باپ کہاں ہے... اصلی باپ... ظالم خان..."

اس نے مجھے دھکا دیا اور ایک گالی دی۔ "سالے... نشے میں ہے... ابھی اتارتے ہیں تیرا نشہ... کون ہے تو...؟"

"میں بزدل ہوں۔" میں نے اپنا کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ "تم بہت بہادر ہو تو..." جو چیلنج میں نے اسے دیا، وہ لکھا نہیں جا سکتا۔

اس نے کارڈ کو پکڑ کے دیکھا اور ایک دم اس کو جیسے دن میں تارے نظر آ گئے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "آپ... مذاق کی عادت ہے آپ کو... پہلے ہی فرما دیتے جناب... آپ بیٹھو... میں اپنے لیے دوسری کرسی منگواتا ہوں۔"

میں نے کارڈ واپس جیب میں رکھ لیا۔ "میں انچارج

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

کے کمرے میں بیٹھوں گا۔ اسے بتاؤ کہ تمہارا سالا آیا ہے۔''
''جی... جی سر۔'' اس نے موبائل فون اٹھالیا۔
''آپ تشریف رکھو، میں چائے بھیجتا ہوں۔''
''سموسے ضرور کھاتا ہوں میں چائے کے ساتھ...''
رحمل خاں اس وقت نمودار ہوا جب میں دونوں سموسے نگل گیا تھا۔ ''معاف کرنا دوست! دو دن سے کچھ کھایا نہیں تھا۔''
وہ خفگی کے ساتھ اپنی کرسی پر براجمان ہوگیا۔ ''حوالات میں بہت کچھ تھا تمہاری خاطر تواضع کے لیے... یار نئی جگہ کچھ تو میری پوزیشن کا خیال رکھنا چاہیے تھا تمہیں۔''
میں نے کہا۔ ''خیال بہت رکھا میں نے... یہ کہا کہ میں تمہارا سالا ہوں... باپ نہیں کہا۔ نئی گاڑی کی مبارک باد دینے آیا تھا۔''
''مجھے پتا چل گیا تھا باہر ہی تمہارے نازل ہونے کا... دیکھو ایس پی آنے والا ہے۔''
میں نے کہا۔ ''آنے دو۔ میں اسے روک تو نہیں سکتا۔''
''لال دین چودھری بہت سینئر افسر ہے۔ تم کام کی بات کرو۔''
میں نے کہا۔ ''اس کے آنے سے پہلے مجھے حوالات میں بند کردو۔ میرے پاس سے چوری کی چار گاڑیاں برآمد ہوئی ہیں۔ روزنامچے میں کچا اندراج بھی کرلو۔''
''یار میں نے کہا نا مذاق کا وقت نہیں ہے۔''
''میں کب مذاق کررہا ہوں۔'' میری بات پوری ہونے سے قبل ہی اس کا موبائل بجا۔ ''ہیلو... یس سر... جی سر... ٹھیک ہے سر۔'' کے سوا اس کے ہونٹوں سے کوئی بات نہیں نکلی۔
''چلو، ان کا وزٹ ٹل گیا کل پر... علاقے میں کہیں دھماکا ہوا ہے۔''
میں نے کہا۔ ''اب تم میری عرض داشت پر غور کرسکتے ہو۔'' میں نے جیب سے گلباز خان کی تصویر نکالی۔ ''اس بندے کا سراغ لگانا ہے۔''
اس نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ ''کون ہے یہ... اور اس کا جرم؟''
''یہ کار ڈیلر ہے۔ دبئی سے ری کنڈیشن گاڑیاں منگواتا ہے۔ ایف آئی اے والے بہت اچھی طرح پہچانتے ہوں گے لیکن تم ابھی ان کو درمیان میں مت لاؤ۔ جو ایسی کاروں کی خرید و فروخت کا دھندا کرتے ہیں۔ ان سے معلوم کرو مگر سامنے آئے بغیر... کسی مخبر کے ذریعے جو بھروسے کے قابل ہو۔''
اس نے تصویر میز پر رکھ دی۔ ''کل تک پتا چل جائے گا... پھر؟''
''پھر اسے مجھ سے ملواؤ۔ تھانے میں مگر ایسے جیسے تم مجھے جانتے ہو... میں کاریں چوری کرنے والے ایک گینگ کا رکن ہوں اور گلباز خان کے لیے میرے پاس گاڑیاں ہیں۔ تمہارے بھروسے کا آدمی ہوں۔ یعنی تمہارا حصے دار ہوں۔''
وہ مجھے دیکھتا رہا۔ ''آخر چکر کیا ہے؟''
''ظالم خان... چکر تمہیں چلاتا ہے۔ اس کے ساتھ میری ڈیل ہوجائے۔ وہ مجھ سے سودے کی بات کرے۔ ابھی نہ سہی... بعد میں اپنے شوروم میں... اگر تم مجھے کسی حقیقی چور سے ملوادو۔ دو چار گاڑیوں کا بتادو جو حال ہی میں اٹھائی گئی ہوں... مجھے بریف کردو کہ اس سے کیسے ڈیل کروں۔''
''یار تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟''
میں نے اسے مختصراً ضرورت بھی سمجھادی۔ ''میں اس شخص سے ذاتی مراسم پیدا کرنا چاہتا ہوں۔''
کچھ دیر غور کرنے کے بعد اس نے سر ہلایا۔
اس نے مجھے ایک جگہ کا پتا سمجھایا... اور کسی دل مراد راجا سے کس طرح ملنا ہے... اتنی تفصیلات میرے لیے کافی تھیں۔ وہ ہر برے وقت میں میرے کام آتا تھا۔
''تمہیں وہاں جاکے حاجی انور کا حوالہ دینا ہے۔ اپنا نام... ملک مرشد مرزا بتادینا۔ ٹرپل ایم... اور ہوسکے تو اس حلیے کو بھی تھوڑا بہت بدل لینا۔''
میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ''میں آج ہی ملاقات کرتا ہوں راجا سے... شام کے وقت۔''
تھانے سے باہر آکے میں نے طے کیا کہ اس کارِ خیر کا آغاز مجھے اپنے دوستوں کی مدد سے کرنا چاہیے۔ جو بڑے خلوص کے ساتھ مجھے تاش کے کھیل میں اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا کے لوٹتے تھے۔ ایک حکیم تھا۔ صرف نام کا مگر اس نے بتایا کہ وہ اب نیم حکیم ہوگیا ہے کیونکہ اس کی شیر شاہ میں گاڑیوں کے اسپیئر پارٹس کی دکان کے سامنے ایک نیم کا درخت تھا جس کے نیچے وہ قیلولہ بھی فرماتا تھا اور ضرورت مندوں کو مجرب خاندانی نسخوں سے بھی فیض یاب کرتا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

محفلِ دوستاں میں اس نے ہنستے ہنستے بتایا تھا کہ اس کی دو بیویوں اور چودہ بچوں کی تعداد سے متاثر ہو کے ایک الو کا پٹھا دوسری شادی کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

حکیم ایک ہمہ صفت شخص تھا۔ سیلف میڈ... وہ بڑے خلوص سے اعتراف کرتا تھا کہ اس نے اپنا کام گاڑیوں کے وھیل کیپ چرانے سے کیا تھا۔ کچھ تجربے کے بعد اس نے سائڈ ویو مرر اتارنے شروع کیے۔

وقت آیا کہ اس نے مزید ترقی کی اور گاڑیوں کے اندر سے ٹیپ ریکارڈر... کیسٹ پلیئر... پھر سی ڈی پلیئر اور بالآخر اے سی نکالنے لگا۔ نئی گاڑیوں میں پورا چینل نکل آتا تھا۔ اور "جینوئن" کی تلاش کرنے والا آدھی قیمت میں ہنسی خوشی لے جاتا تھا۔ اب حکیم خود شیر شاہ کی ایک دکان کا مالک تھا اور گاڑیوں کے "جینوئن" پارٹس بھی ڈیل کرتا تھا۔

حکیم کی دکان پر میں کبھی نہیں گیا تھا۔ اس کی ضرورت مجھے تب پڑتی جب میری اپنی کوئی چھوٹی موٹی کھٹارا کار بھی ہوتی۔ ایک بار صائمہ کے لیے چوری ہوجانے والے سائڈ ویو مرر اس نے گفٹ کردیے تھے۔ کسی دشواری کے بغیر میں شیر شاہ کی گندی، ڈیزل کی بو میں بسی ہوئی تنگ گلیوں کے پیچ و خم سے گزرتا اس کے اسٹور تک پہنچ گیا۔ حکیم کباڑی اسے کوئی نہیں کہتا تھا کیونکہ وہاں سب کباڑی تھے۔

وہ لنگی میں ملبوس کھری چارپائی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے کھلے آسمان کو تک رہا تھا کہ اچانک فوکس میں میرا چہرہ آگیا۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ "ابے تو کم ڈھنگ... میری نظر کو دھوکا تو نہیں ہورہا؟"

میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ "نہیں یار! کام سے آیا تھا تیرے پاس۔ کچھ معلومات لینے ان چوری کی گاڑیوں کے بارے میں۔"

"سیدھی بات کرنا سالے کہ کوئی فیچر بنائے گا اپنا... ہمارا فیوچر خراب کرے گا... اچھی یاری ہے۔"

میں نے اسے تسلی دی۔ "مجھے ایک ماہر چاہیے تالے کھولنے والا۔" میں نے کاغذ کا ایک پرزہ اس کے حوالے کیا۔ "اس فلیٹ کی چابی بنا کے لادے۔"

"یہ بھی کوئی کام تھا۔ تو فون کردیتا۔ مگر اچھا کیا آج اپنے مزار پر بھی حاضری دینے آگیا۔ اب چائے پی یہاں کی۔"

کباڑی بازار کی چائے ویسی ہی تھی جیسی ہونی چاہیے مگر اس میں دوستی کا خلوص شامل تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی تعریف کی۔ "دراصل مجھے اور بھی کچھ پوچھنا تھا تجھ سے... یہ جو گاڑیاں چوری ہوتی ہیں۔"

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "آخر یہ چکر کیا ہے کولیو... تو ریکارڈ تو نہیں کررہا کچھ... دکھا مجھے۔"

میں نے ہاتھ اٹھادیے۔ "تلاشی لے کر اطمینان کر لے۔ ابے ہم یاروں سے غداری کریں گے؟"

پھر میں نے اسے ساری بات بتادی۔ "مجھے پوری انفارمیشن چاہیے۔ اس سب انسپکٹر سے ملنے جاؤں تو میری پول نہ کھل جائے کہ اسے تو کچھ پتا ہی نہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "مگر ایسی جلدی کیا تھی تو گھر بلا لیتا مجھے۔"

"جلدی تھی یار... ایک دو دن میں مجھے گلباز خان سے ملنا ہے۔ وہ تیری بھابی پیچھے لگی ہوئی ہے میرے۔"

وہ ہنسا۔ "کبھی نہ ہونے والی بھابی بول۔" حکیم نے کہا۔ جب میں اٹھا تو خاصا پراعتماد اور مطمئن تھا۔

سب انسپکٹر راجا کے پاس جانے سے پہلے میں نے پتلون قمیص کی جگہ شلوار قمیص پہنی۔ سر پر ایک گول قراقلی ٹوپی رکھی۔ آنکھوں پر زیرو نمبر کے شیشوں والی عینک لگائی اور عہد کیا کہ میں صرف پنجابی بولوں گا۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ راجا مجھے تھانے کے باہر ہی مل گیا۔ میں نے ایک روایتی تربوز جیسی توند والے نصف گنجے سب انسپکٹر کو اندر جاتے دیکھا اور اس سے راجا کا پوچھا تو وہ رک گیا اور مجھے گھورنے لگا۔

"میں ہی راجا ہوں... تو کون ہے؟"

میں نے عقیدت سے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ "حاجی انور صاحب نے بھیجا ہے مجھے... ملک مرشد مرزا۔"

اس نے میرے ہاتھ کو نظرانداز کردیا۔ "رحمدل خان نے بتایا تھا تیرے بارے میں۔"

"کیا ہم اندر بیٹھ کے بات کرسکتے ہیں؟"

وہ مجھے باہر لے گیا۔ ایک پٹھان کے چائے خانے کے باہر ہم آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک بارنا تجربہ کاری کے باعث کرسی نے مجھے گرادیا۔ پھر میں نے اس پر بیٹھنا سیکھ لیا۔ گاڑھی شیرے جیسی چائے پیتے ہوئے ہم نے مفید کاروباری گفتگو کی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت میرے پاس کون کون سے ماڈل کی کون سی گاڑی ہے اور میرے ساتھ گروپ میں کون لڑکے ہیں۔

اپنی معلومات کی بنیاد پر میں نے گروپ کے لڑکوں کے نام بتائے۔ "یہ مردان اور سوات سے بھیجے گئے ہیں... کام

جانتے ہیں۔ دوسرے گروپ کے نام میں نے وہی لیے جو مجھے پہلے سے معلوم تھے۔ یہ حاجی انور کے کارکن تھے اور یہ اطلاعات مجھے ظالم خان نے دی تھیں۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ راجا مطمئن نہ ہوتا۔ اس نے کہا۔ "ایک ہنڈا سٹی چاہیے۔ سفید آٹومیٹک... بڑے صاحب کے سالے نے کہا ہے۔"

"دیکھتے ہیں راجا جی دو چار دن میں ہوجائے گی ان شاء اللہ... یہ بتاؤ گلباز کہاں ملے گا؟"

"کون گلباز... وہ خیبر ایجنسی والا گلباز خان... تم جانتے ہو اسے؟"

میں نے کہا۔ "اس سے کام کی بات کرنی ہے... سنا ہے کھرا بندہ ہے۔"

راجا نے تائید میں سر ہلایا۔ "ادھر خالد بن ولید روڈ پر ملے گا۔ خریدار بن کے جانا... پھر میرا حوالہ دے دینا۔"

"تم اسے بتادینا پہلے سے۔" میں ہاتھ ملا کے کھڑا ہوگیا۔ "شام کو چلا جاؤں؟"

"ابھی چلے جاؤ بے شک... میں بتادوں گا اسے... لیکن وہ یاد رکھنا... سفید ہونڈا سٹی۔"

"راجا جی... اب بڑے صاحب کے سالے کو بول دو کہ گاڑی مل گئی۔ معاملات تم کرنا... میں بیچ میں نہیں آؤں گا۔" میں نے دوستانہ بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ کہا۔

ایک گھنٹے بعد کسی سے پوچھے بغیر میں نے خالد بن ولید روڈ پر گلباز کو تلاش کرلیا۔ درجنوں شوروم کے اندر باہر کھڑی ہزاروں گاڑیوں نے سڑک بلاک کر رکھی تھی مگر بادشاہت انہی کی تھی جو نئی پرانی امپورٹڈ اور چوری کی گاڑیوں کو... ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز... کے قول پر عمل کرتے ہوئے بڑی ایمان داری سے زیادہ ایمان دار گاہکوں کو فروخت کررہے تھے۔ وہ چار چھ اپنے جیسے لوگوں کے غول میں کھڑا گپ لگا رہا تھا۔ تصویر دیکھ لینے کی وجہ سے اس کو شناخت کرنا میرے لیے دشوار نہ تھا مگر شک سے بچنے کے لیے میں نے چند قدم دور کھڑے ایک کاریں صاف کرنے والے سے بلند آواز میں پوچھا۔ "اوئے، گلباز خان کدھر ہے؟"

ظاہر ہے میری آواز سے گلباز خان کے کان کھڑے ہوگئے۔ لڑکے نے اشارہ کیا۔ "وہ سامنے... چارخانے کے کرتے والا۔"

میں نے قریب جاکے اس سے ہاتھ ملایا۔ "مجھے ایک سفید ہونڈا سٹی چاہیے... آٹومیٹک... دو سال پہلے کی... ابھی ہو تو تین سال کی بھی چلے گی۔"

وہ مجھے الگ لے گیا۔ "لو جی ابھی آئی ہے آپ کی مرضی کی گاڑی... اسے بھی آپ جیسے گاہک کا انتظار تھا۔"

کچھ دور آکے میں نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے راجا نے بھیجا ہے۔ ایم تھری... ملک مرشد مرزا۔"

اس کا جوش و خروش سرد پڑ گیا۔ ایک اچھے سیلز مین سے وہ فوراً ڈیلر بن گیا۔ وہ مجھے سڑک کے پار ایک ایرانی ہوٹل میں لے گیا۔ اس نے وہی پوچھا جو راجا نے پوچھا تھا اور میں نے جوابات بھی وہی دیے۔ پھر میں نے کہا کہ "چار گاڑیاں ہیں میرے پاس۔"

"دکھا دو۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔ "آج کل مندی ہے۔ اخبار والے بہت شور کررہے ہیں۔ گاہک ڈرتا ہے۔"

"دیکھو نخرے مت کرو میرے ساتھ... سودا کسی اور سے بھی ہوجائے گا میرا... تم اپنا فائدہ دیکھتے ہو تو میں اپنا۔"

وہ سیدھا ہوگیا۔ "کہاں ہیں گاڑیاں؟"

"کھڑی ہیں کہیں۔ تم بتاؤ کب دیکھو گے... آج رات؟"

اس نے کچھ سوچ کے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے دس بجے آجاؤ ڈیرے پر۔"

میرے دل کی مراد بر آئی۔ "پتا سمجھا دو... میں آجاؤں گا۔"

اس نے اپنا پتا کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ کے میرے حوالے کیا۔ یہ بہادر آباد کا ایک فلیٹ تھا۔ گیٹ پر چوکیدار نے مجھے بتایا۔ "گلباز خان رات کو ملے گا۔"

میں نے کہا۔ "اس کی فیملی تو ہوگی؟"

"فیملی۔" اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ "جب ایک سال پہلے آیا تھا فلیٹ کرائے پر لینے کے لیے تو بیوی ساتھ تھی۔"

"اب نہیں ہے؟"

"دو تین مہینے سے گاؤں گئی ہے۔ بچہ ہوگا تو واپس آئے گی۔ تم کون ہو اس کے؟"

"میں اس کا رشتے کا بھائی ہوں۔ اُدھر ہی رہتا ہوں بنارس کالونی میں۔ دیکھو اس کو میرے آنے کا مت بتانا، سال بھر پہلے اس نے دس ہزار لیے تھے مجھ سے۔ اب ملتا نہیں۔ مجھے بتایا تھا کہ شادی کرنے گاؤں گیا ہے۔ تم کہہ رہے ہو سال بھر پہلے آیا تو بیوی ساتھ تھی۔ بڑی مشکل سے اس کا پتا ملا ہے۔ میں رات کو چکر لگاؤں گا آج یا کل۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

چوکیدار نے افسوس سے سر ہلایا۔ ”ادھار دینے والا بے وقوف ہوتا ہے۔ رونا روتا ہے تمہاری طرح۔“

میں نے مظلوم صورت بنالی۔ ”بالکل ٹھیک کہتے ہو تم... اب مجھے ماں کے علاج کے لیے پیسا چاہیے۔ اس کے آپریشن کے لیے... اپنی ٹیکسی بیچ کے رکشا لیا ہے پھر بھی کم ہے... اسے پتا چلا تو وہ پھر بھاگ جائے گا۔“

چوکیدار کو میری مظلومیت پر ترس آرہا تھا۔ ”مجھے کیا ضرورت ہے اور ملاقات کہاں ہونی ہے اس سے میری... رات کو ہوتا ہے دوسرا چوکیدار۔“

میں نے کہا۔ ”اسے بھی مت بتانا... بڑی مہربانی ہو گی تمہاری۔“

یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ مجھے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ یقیناً اس کا کرمنل ریکارڈ بھی ہوگا اور صرف پولیس ہی نہیں ایف آئی اے اور موٹر رجسٹریشن والے بھی اس سے پورا تعاون کررہے ہیں۔ غزالہ جیسی لڑکی کا اس کے ساتھ کیا مستقبل ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

تجربے نے مجھے اکیسویں صدی کے عشق کی وہ ٹیکنالوجی سکھا دی تھی جس سے مجنوں اور فرہاد ناواقف رہے۔ ایک ریگستانوں میں بھٹکتے رہے اور دوسرے کو کوالیفائڈ انجینئر ہونے کے باوجود دودھ کی نہر نکالنے کے چکر میں ڈال دیا گیا کیونکہ اس زمانے میں یہ ملک پلانٹ وغیرہ نہیں تھے جو کنٹریکٹ پر یہ کام بہ آسانی کردیتے۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ بیک وقت میری مستقل اور قائم مقام محبوبہ کی گوٹ پھنس گئی تھی اور میں صورتِ حال کو پوری طرح ایکسپلائٹ کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ صبر کی حکمت عملی... جس کا پھل اب بھی میٹھا ہوتا ہے۔ میں نے ویک اینڈ پر اداسی، بے صبری سے گریز کیا اور فون بند کیے اپنے مرقد میں لیٹا رہا۔ اس سے دو شرپسند عناصر نے فائدہ اٹھایا۔ پہلی دستک پر میں دل کی دھڑکن دبا کے دوڑا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی اس حسنِ دلآرام کی دید ہوگی جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا لیکن میری امیدوں کا بوئنگ اس وقت کریش کرگیا جب میرے سامنے دنیا کی سب سے ناپسندیدہ صورت آئی۔

میرے یہودی صفت اور جوکر صورت مالک مکان نے بے خبری میں حملہ کرکے نہ صرف مجھ سے ہاتھ ملا لیا بلکہ میرے گلے بھی لگ گیا۔ ”ارے اپنا بزدل بھائی... آپ کے درشن کو اتنا جمانہ ہوا کہ لگتا ہے بچپن میں دیکھا تھا آپ کو...“

میں نے کہا۔ ”بچپن میں پھر دیکھ لو... مگر کرائے کی بات مت کرنا۔ دل کا ایک دورہ آج پڑ چکا ہے مجھے... دوسرے سے جانبر نہ ہوا تو قتل کا کیس بن جائے گا تم پر...“

وہ ڈھٹائی سے بیٹھ گیا۔ ”بات بالکل نہیں کرے گا بزدل بھائی... اپن بھی کوئی... بہادر نہیں ہے، یہ حساب دے کر چلا جائے گا۔“

مجبوراً میں نے ایک فٹ لمبا اور تین انچ چوڑا اعمال نامہ لے لیا۔ ”جو اس میں ہے اپنی جگہ... لیکن ایک حساب میرا بھی ہے... تم نے مالک مکان کی حیثیت سے مجھے جو ذہنی اذیت دی اور میری زندگی کو خطرات سے دوچار کیا، جو ذمے داریاں نبھانے سے قاصر رہے... ان کا خمیازہ یا ہرجانہ قانون کے مطابق گیارہ لاکھ پچاس ہزار دو سو گیارہ روپے بنتا ہے۔“

”ارے بزدل بھائی! اپن کا دل تو بجلی کے نظام کا مافک چل رہا ہے اور لوڈ مت ڈالو... لائف کا فیوز اڑ جائے گا، آپ بس ایک مہربانی کرو... حساب کرو... اپنا پراپرٹی ٹیکس سالا کینسر کا مافک بڑھ رہا ہے۔ اس کو خلاص کرا دو... جان پہچان ہے تو حساب برابر۔“

میں نے چٹکی بجا کے کہا۔ ”یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اب مجھے گولی کھا کے فوراً سونا ہے۔“

گولی میں نے ایسی دی تھی کہ وہ فوراً دفع ہوگیا مگر پھر دروازہ بجا اور میں نئی امید کے ساتھ دوڑا تو استاد بجلی کی شکل دیکھ کے مجھے نیا شاک لگا۔ اس نے مصافحہ کرکے مجھے مبارک باد دی۔ ”آج آپ کی پھٹ پھٹی کو اسٹارٹ کرہی دیا... آخر استاد بجلی نام ہے میرا بھی۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں... دو سال میں پرزے جوڑ کے موٹر سائیکل بنالینا زیادہ آسان تھا میرے لیے۔“

”لوجی اپنے بزدل صاحب! آج میں نے ٹرائی کیا۔“

”کہاں؟ موت کے کنوئیں میں... سرکس لگا ہوا ہے آج کل۔“

وہ کھی کھی کرکے ہنسا۔ ”ادھر بھی کرسکتا ہوں، دو سال مقصود ملک کے مقابلے پر موت کے گولے میں موٹر سائیکل چلا چکا ہوں۔ ٹھٹھہ کی طرف سو کلومیٹر پر دوڑا کے دیکھا... واجی وا... ہوا کے گھوڑے والی بات تھی۔ آپ بے شک دنیا کا چکر لگا لو... تمام پرزے ایک دم جینوئن ڈالے ہیں... خرچہ ہوا صرف سینتیس ہزار... نیچے ریڈی کھڑی ہے۔“

سینے پر ہاتھ رکھ کے میں نے ایک لمبی سانس لی۔ ”استاد بجلی! جب میری جوانی تھی تو میں نے یہ سواری تمہیں دی تھی لیکن اس کے ٹھیک ہوتے ہوتے میرا حال خراب ہو گیا۔ اب دل کا عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر نے صاف کہا ہے کہ وصیت کرلو... تو اب تم یہ نایاب تاریخی موٹر سائیکل نیلام کے لیے رکھ دو... یہ نوادرات میں شمار ہوتی ہے... میں ریسرچ سے ثابت کروں گا کہ دوسری جنگ عظیم میں اسے فیلڈ مارشل منٹگمری نے استعمال کیا تھا... تمہیں مل جائیں گے قدر دانوں سے ایک لاکھ ڈالر۔“

استاد بجلی کا چہرہ موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ کی طرح روشن ہوگیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو بزدل صاحب؟“

”سچ کہہ رہا ہوں استاد بجلی... جب ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کروگے۔“

استاد بجلی جب گیا تو اس کی دونوں آنکھوں میں ڈالروں کی چمک تھی۔ آج میں نے زندگی کا روگ بن جانے والے دو مسائل سے جان چھڑالی تھی۔ ایک مالک مکان اور ایک استاد بجلی... شگون اچھا تھا تیسری بار دروازے پر توپ خانے کے حملے کے ساتھ ہی ایک زنانہ چیخ سنائی دی تو میرے دل کی مراد بر آئی۔ گولہ باری صائمہ کررہی تھی۔ غزالہ پہلی بار آئی تھی چنانچہ ناتجربہ کاری کے باعث اس نے گھنٹی بجانے کی غلطی کی... ہر نئے ملاقاتی کی آمد کی خبر مجھے بہرحال مل جاتی تھی۔ گھنٹی تو بہت بجتی تھی مگر بٹن سے لگنے والے شاک پر ملاقاتی جو آہ بلند کرتا تھا وہ صاف سنائی دیتی تھی۔

صائمہ نے ایک مثالی مشرقی بیوی کی طرح مجھ پر چڑھائی کی۔ ”آخر یہ کیا ہے... سارا دن سے فون کیوں بند ہے؟“

میں نے کہا۔ ”عزیزہ! میری کیا اوقات ہے... یہاں بڑے بڑوں کی بولتی بند ہوجاتی ہے۔“

اس نے میری وضاحت سنی ہی نہیں۔ ”اور یہ پھر بنا دیا گھر کو کباڑ خانہ... دو دن پہلے ہی سب ٹھیک کرکے گئی تھی۔“

میں نے غزالہ کو ایک کرسی پر سے کتابیں، رسالے، اخبار ہٹا کے بیٹھنے کی جگہ پیش کی۔ ”یہ گھر کہاں ہے جان من... یتیم خانہ... کباڑ خانہ... غریب خانہ بھی نہیں ایک لاوارث کا ٹھکانا ہے... اسے ایک مستقل کیئر ٹیکر کی ضرورت ہے۔“

غزالہ مسکرائی۔ ”ہو جائے گا بہت جلد اس کا بندوبست... مگر یہ بتاؤ تم یہاں کیوں روپوش ہو؟“

صائمہ نے کہا۔ ”ہر جگہ معلوم کرلیا... پھر خود آنا پڑا...“

”وہ دراصل... فون کی بیٹری فوت ہوگئی تھی... اور چارجر ملا نہیں۔“

صائمہ نے تکیے کے نیچے سے موبائل فون نکال لیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ کال ہسٹری دیکھے گی اور ایسا ہی ہوا۔ اس نے ایک منٹ بعد فون میرے سامنے پھینک دیا۔ ”جھوٹے، ابھی دس منٹ پہلے تک کالیں کی ہیں تم نے... اور بیٹری آدھی ہے۔“

”معزز خواتین! کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے... پیار محبت کی۔ آپ کے آنے سے پہلے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا خودکشی کے بارے میں۔ غریب کی بھی کوئی زندگی ہے... جیب میں زہر کھانے کے لیے پیسے نہیں... پکا کے محبت سے کھلانے والی کوئی نہیں۔“

غزالہ ہنس پڑی۔ ”چلو اب ڈراما بند کرو... ہم لے جارہے ہیں تمہیں ڈنر پر۔“

صائمہ مسکرائی۔ ”کیا کہا تھا میں نے؟ ملک کے نامور صحافی کیا فرمائیں گے... میں تو رگ رگ سے واقف ہوں۔“

غزالہ نے مطلب کی بات چھیڑنے میں دیر نہیں کی۔ ”جب تم نہیں آئے تو ہمیں آنا پڑا... دو دن میں کچھ کیا تم نے... ڈیڈی کا بھی فون آیا تھا۔“

”سر سے کفن باندھ کے میں اپنے رقیب روسیاہ سے ملنے گیا تھا اور واپسی میں اپنے مدفن کے لیے گورکن کو آرڈر بھی دے آیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ غزالہ کیا لگتی ہے تمہاری اور میں چونکہ... حق گوئی و بے باکی آئین جواں مردی... پر یقین رکھتا ہوں میں نے بتا دیا کہ وہ میری قائم مقام محبوبہ ہے... فوری طور پر اس کے پاس آلۂ قتل دستیاب نہیں تھا مگر اس نے بتا دیا ہے کہ دبئی سے وہ نئی ایجاد ہونے والی رائفل سے ایک گولی چلائے گا جو میزائل کی طرح اپنے ہدف کا سراغ لگاتی عین میرے دل میں پیوست ہوجائے گی... خواہ میں قطب شمالی پر جا بیٹھوں۔ وہ ایک ماڈرن رقیب ہے، چنانچہ آج تمہارے ساتھ میرا یہ آخری طعام ہوسکتا ہے۔“

”کتنی فضول چلتی ہے تمہاری زبان... تمہارے قلم کی طرح۔“ صائمہ نے کلفٹن کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"سویٹ ہارٹ! آج ہی تو موقع ملا ہے مجھے سودے بازی کا... ہمیشہ تم ایکسپلائٹ کرتی رہی ہو۔"

"بڑے کمینے ہو... ہر معاملے میں تمہارا ساتھ دیا ہے میں نے۔" صائمہ بولی۔ "کیا کچھ نہیں کیا ہے تمہارے لیے۔"

"سوائے شادی کے... تو اب مجھے موقع ملا ہے ایک ڈیل کا... مائی ڈیئر غزالہ! تم ڈیل کرا سکتی ہو۔"

"کیسی ڈیل؟" غزالہ نے مینیو کارڈ کا مطالعہ کرتے ہوئے کہا۔ آرڈر صائمہ نے دیا۔

ویٹر کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ "اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ میں تمہاری شادی منسوخ کرا سکتا ہوں۔ تم بدلے میں صائمہ کی شرط منسوخ کرا دو۔"

غزالہ نے فوراً ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ "منظور۔"

صائمہ نے خفگی سے کہا۔ "غزالہ! میری مرضی کے بغیر تم نے کیسے شرط مان لی؟"

"اب تو مان لی۔" غزالہ نے کہا۔

میری دو دن کی کارکردگی نے انہیں متاثر نہیں کیا۔ "ابھی صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کا بزنس غیر قانونی ہے۔"

میں نے اسے گلباز خان کے فلیٹ کی چابی دکھائی۔ "کل صبح جب گلباز خان نکل جائے گا تو صائمہ برقع اوڑھ کے اندر جائے گی اور فلیٹ کھولے گی۔"

صائمہ کی صورت پر کچھ پریشانی نمودار ہوئی۔ "اور کسی کو شک ہو گیا... پھر؟"

"گیٹ پر چوکیدار نے مجھے روک لیا تھا کسی برقع پوش کو وہ نہیں روک سکتا۔"

"میرا مطلب تھا پاس پڑوس میں۔"

"ان سے تم خود ملو گی۔ خود کو گلباز خان کی بیوی کے طور پر متعارف کراؤ گی۔ اگر ممکن ہو تو کہیں سے کوئی ڈریس لے لینا۔ جیسا نئی دلہن پہنتی ہے۔"

"وہ میں لا دوں گی... میری ایک سہیلی کی گزشتہ مہینے شادی ہوئی تھی۔" غزالہ بولی۔

"ویری گڈ... تم سب کو بتاؤ گی کہ گلباز خان تمہارا شوہر ہے۔ تمہاری دس دن پہلے شادی ہوئی ہے پشاور میں... ساتھ والے فلیٹوں کی خواتین میں بڑی سنسنی پھیلے گی کیونکہ وہ کچھ عرصے پہلے بھی ایک بیوی کو دیکھ چکی ہیں۔ وہ آٹھ مہینے سے زیادہ اس فلیٹ میں رہی تھی اور اب انہیں یہی معلوم ہے چوکیدار کی طرح... کہ وہ ڈلیوری کے لیے ماں باپ کے گھر پشاور گئی ہے... جتنا عرصہ وہ یہاں رہی اس کے سب سے نہ سہی کسی ایک سے زیادہ مراسم ہوں گے۔ اکیلی عورت تھی۔ نئی دلہن تھی۔ ہر پڑوسن کو اشتیاق ہوگا ملنے کا... اور اسے وقت گزارنا مشکل ہوگا تو وہ کسی سے زیادہ ملتی ہوگی۔ جس سے بنی ہوگی... تمہیں اس کے بارے میں خاصی انفارمیشن مل سکتی ہے... کوئی پڑوسن لگائی بجھائی کرنے والی اور ٹوہ لینے والی ہو گی۔ وہ سب جانتی ہو گی اور تمہارے سامنے سنسنی خیز انکشافات کرے گی۔ تمہارے بارے میں بھی بہت کچھ پوچھے گی۔ ماشاء اللہ سے تم ذہین ہو... یہ رول کامیابی سے نبھا سکتی ہو۔"

صائمہ نے جو بڑے غور سے سن رہی تھی اتفاق میں سر ہلایا۔ "یہ میں کر سکتی ہوں... غزالہ کے لیے۔"

"میں بھی جو کر رہا ہوں غزالہ کے لیے ہی ہے... کاش ہم ایک دوسرے کے لیے بھی کچھ کرتے۔" میں نے کہا۔

"اگر گلباز خان آ گیا... پھر... کسی بھی کام سے؟"

میں نے کہا۔ "یہ رسک تو لینا پڑے گا تمہیں۔ وہ آدمی خطرناک ہے اور تم اکیلی... بھیڑیے کے قبضے میں بھیڑ۔"

صائمہ نے کھانا چھوڑ دیا۔ "میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"بس... دوستی کا جذبۂ خلوص؟ دوستی میں قربانی دینے کا وقت آیا تو..."

"حد کرتے ہو تم بھی... اسے قربانی کہتے ہو؟ تم کچھ نہیں کرو گے... تم ساتھ چلو... اندر چھپ کے بیٹھے رہنا۔"

میں نے کہا۔ "آئی ایم سوری... دن کا چوکیدار مجھے پہچان گیا ہے۔ وہ مجھے کہاں جانے دے گا اور میرا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ اس کا قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔"

"مجھے اتنی بے غیرتی کے ساتھ جھونک رہے ہو خطرے میں۔" صائمہ بگڑ گئی۔ غزالہ کا چہرہ بھی اتر گیا۔

میں نے ہنس کے کہا۔ "لیڈیز... چیئر اپ... آپ کا یہ مشترکہ پرستار بزدل ہے مگر بے غیرت بہر حال نہیں ہے۔ میں جو سارا دن باہر رہوں گا تو کیا یہاں لمبی تان کے سوتا رہوں گا۔ میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ گلباز کسی صورت دن میں گھر جانے کا نہ سوچے۔ خواہ مجھے سارا دن کے لیے اسے حوالات میں بند کرانا پڑے... تمہارے لیے میں سب کچھ کر سکتا ہوں تو میرے لیے رحمدل خان بہت کچھ کر سکتا ہے۔"

ان دونوں کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ "ان معلومات سے کیا ہوگا؟" غزالہ بولی۔

"یہ معلومات کی نوعیت پر ہے۔ ہو سکا تو میں تمہیں

ایک ایف ایم مائیک دوں گا۔ چھوٹا سا ہوتا ہے۔ تم لاکٹ کی طرح گلے میں پہن سکتی ہو۔ اس سے ہر آواز دو ڈھائی سو میٹر کے دائرے میں نشر ہو جاتی ہے۔ نیچے کسی گاڑی کے عام ریڈیو پر اسے سنا جا سکتا ہے اگر ایف ایم بینڈ کو ٹیون کیا جائے تو کہیں نہ کہیں آواز آ جائے گی۔ پھر وہ آواز ریکارڈ بھی ہو سکتی ہے۔"

غزالہ بہت پرجوش نظر آنے لگی۔ "یہ تو بالکل فلمی قسم کی سراغ رسانی ہے... حالانکہ تم ہو صحافی۔"

میں نے عاجزی سے کہا۔ "خاتون! زمانہ سخت قدر ناشناس ہے..." میں نے آہ بھر کے صائمہ کی طرف دیکھا۔ "ورنہ ایسا ہمہ صفت شخص ٹارچ یا لیزر لائٹ لے کر بھی تلاش کرو تو نہیں ملے گا۔"

صائمہ مسکرائی۔ "اپنی تعریف میں قصیدہ راستے میں پڑھنا۔ اب چلو ورنہ ہوسٹل کی وارڈن سے بک بک ہوگی۔"

"آج تو میں اوپر سے سڑک پر پھینک دوں گی اس چوہیا کو۔" غزالہ نے مردانہ اسٹائل میں غیر موجود مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔

یہ غزالہ کی گاڑی تھی جس میں مجھے مؤدبانہ سر جھکا کے نہیں بیٹھنا پڑا۔ انہوں نے مجھے راستے میں روزنامہ "حقیقت ساز" کے دفتر کی سیڑھیوں کے سامنے اتار دیا۔ توپ صاحب بڑے انہماک سے ایک باتصویر فلمی رسالے کی رنگین تصویر پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

میں نے تصویر کو دیکھ کے کہا۔ "یہ تو خیر سے اپنے پیارے پاکستان کا نام روشن کرنے والی وینا ملک ہے۔"

"تم نے اس جان لیوا حسینہ کو بنظر غائر نہیں دیکھا برخوردار... ورنہ بڑے چشم کشا انکشافات ہوتے گویا۔"

"آپ پر تو چودہ طبق روشن ہو رہے ہیں... اس پر آپ روشنی ڈالیے۔"

"بھئی واقعی تم اتنے کور چشم اور کوتاہ بیں وغیرہ ہو گویا... تمہیں اس کی مماثلت کسی میں نظر نہیں آتی؟"

میں نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔ "میری دور کی نظر خراب ہے بچپن سے... جو آپ کی بچپن میں ہوتی۔"

"میاں بزدل! بخدا یہ اپنی عزیزہ صائمہ کا نقش ثانی لگتی ہے... بلکہ وہ اس کا نقش ثانی ہے گویا۔"

میں بھونچکا رہ گیا۔ "یہ آپ صائمہ کی کردار کشی کر رہے ہیں... خدا نہ کرے۔"

"یہ خدا کر چکا۔ اور ماتم تمہاری عقل پر کر رہے تھے ہم کہ جب نعم البدل موجود ہے تو تم نے اس دگنے وزن کی غزالہ کو قائم مقام محبوبہ کی جگہ کیوں دی؟ لازم تو یہ تھا کہ تم اصل محبوبہ اس دختر وطن وینا ملک کو مقرر کرتے... عزائم ضرور بلند ہونے چاہئیں برخوردار..."

"اب مجھے آپ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دینا چاہیے۔ آپ واجب القتل ہو چکے۔"

انہوں نے رسالہ بند کیا۔ "قتل تم بھی کر دینا برخوردار... اس سے پہلے نہ جانے کس کس نے کئی بار کیا... لیکن پہلے یہ فرماؤ کہ آج مشہور کی مرغی نے کون سا انڈا دیا ہے؟" وہ بطخ کی طرح ہنسے اور گلوری کے اسباب سامنے رکھ لیے۔

میں نے جیب میں سے کاغذ کا پرزہ نکالا۔ "عرض کیا ہے بعوض ایک ہزار نقد سکہ رائج الوقت کے۔"

"آج تو برخوردار معاشی حالت اپنی ملک سے زیادہ دگرگوں ہے گویا... ہم یہ کر سکتے ہیں کہ شیروانی ہی نہیں پاجامہ بھی اتار دیں۔"

میں نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ... آپ کو لباسِ قدرت میں دیکھ کے ہم کیا کریں گے؟"

"میاں بزدل! فقیر کے جبہ و دستار کے عوض جو مل جائے وہی غنیمت گویا ہزار نقد تو ہیں نہیں... ان کو بیچ دینا۔"

میں نے کہا۔ "آپ ذرا اِدھر تشریف لائیے۔ ایک منٹ کے لیے۔"

توپ صاحب نے کچھ حیران ہونے کے باوجود میری یہ درخواست قبول کی۔ میں نے ان کی کرسی کے قریب جا کے سیٹ اٹھائی اور اس کے غلاف میں ہاتھ ڈالا۔ وہ "ہائیں ہائیں یہ کیا نامعقولیت ہے گویا" کرنے لگے مگر تب تک میرے ہاتھ میں ہزار ہزار کے دو نوٹ آ چکے تھے۔

میں نے کہا۔ "شرافت اور انصاف کے اصول کے مطابق... میں صرف ایک رکھتا ہوں قطعے کے لیے... دوسرا کالم کا معاوضہ۔"

انہوں نے ایک آہ سرد بھری۔ "سارا مزہ تو غارت کر دیا تم نے گویا۔"

میں آداب بجا لا کے سیڑھیاں اتر گیا۔

☆☆☆

ساڑھے دس بجے میں نے صائمہ کو جائے واردات سے سو گز کے فاصلے پر گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ "نورِ چشم... یہ ہیں وہ فلیٹس... یہاں سے ہمارے راستے جدا ہوتے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اسی صدی میں۔ ورنہ گور

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

غریباں میں لیٹ کر بقول شاعر... ہم انتظار کریں گے ترا قیام تک۔"

صائمہ نے صورتِ حال کا جائزہ لے لیا تھا۔ "گاڑی لے جاؤں اندر۔"

"لے جاؤ... تمہیں کون روکے گا۔ دربان کی نظریں خیرہ ہوجائیں گی۔"

"اچھا چلو اترو۔ تم گھر پر ہی رہنا۔ کام جلدی ہوگیا تو میں نکل آؤں گی۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نظر رکھوں گا اس رقیب روسیاہ کی نقل و حرکت پر۔ اسے ادھر آنے سے بھی تو روکنا ہے۔ ظالم خان سے کہوں گا کہ اسے رات کو مہمان رکھے۔ تم فون کردینا نکلنے سے پہلے۔"

میں ایک سائن بورڈ کے پیچھے سے صائمہ کی کار کو فلیٹوں کے اندر جاتا دیکھتا رہا۔ حسب توقع کسی نے اسے روکا نہیں۔ اگر مکینوں کے سوا کسی کو اپنی کار اندر لانے کی اجازت نہ ہو تب بھی دن میں کچھ رعایت ہوتی ہے۔ اور صائمہ تو صائمہ تھی اسے کون روکتا۔

گلباز خان کو میں نے دس منٹ پہلے ہی باہر آتا دیکھا تھا۔ خالد بن ولید روڈ کے شوروم عام طور پر بارہ بجے دوپہر کے بعد ہی کھلتے ہیں۔ شوروم کے ملازم کچھ پہلے آکے گاڑیاں ترتیب سے لگانے اور جھاڑ پونچھ کے چمکانے میں لگ جاتے ہیں۔ ابھی میرے پاس خاصا وقت تھا مگر میں اس بات کا یقین کرلینا چاہتا تھا کہ وہ شوروم ہی گیا ہے۔ ایسا نہ ہو پیچھے کسی دکان تک گیا ہو اور لوٹ آئے۔ آدھے گھنٹے تک میں گیٹ پر نظر جمائے کھڑا رہا۔ خدانخواستہ وہ لوٹ آتا تو میں اسے کسی بہانے سے روکتا اور صائمہ کو خطرے کا سگنل دے دیتا۔ وہ نیچے اتر کے کچھ دیر اپنی گاڑی میں بیٹھتی یا باہر نکل آتی اور دوبارہ اس وقت جاتی جب آل کلیئر کا سگنل ملتا۔ یہ متبادل سیکیورٹی کا نظام تھا جس پر میں اسے بریف کرچکا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ نصف شب کے بعد ہر ایس ایچ او کی طرح تفتیش کے عمل کی ذاتی نگرانی کرکے رات دو تین بجے سونے گھر جاتا ہوگا۔ ظاہر ہے اس کے بعد وہ دوپہر سے پہلے ہی اٹھتا ہوگا۔ بیوی کے سامنے اسے بلیک میل کرنا آسان ہوتا تھا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو وہ سو کے اٹھا ہی تھا۔ حسب توقع اس نے کہا۔ "بس نظر آگئی آج تیری صورت... اب دن برا ہی گزرے گا۔"

اس کی بیوی نے مجھے خوش آمدید کہا۔ "بھائی بہت دن بعد آنا ہوا۔ ناشتا کروگے نا؟"

"دوبارہ کروں گا۔ آنے سے تمہارے اس مجازی خدا نے منع کر رکھا تھا مگر میں نے بھی آج کہا کہ بہن بھائی کی محبت کے درمیان کوئی دیوار نہیں بن سکتا۔ قسم اللہ کی خون خرابہ ہوجاتا۔ چھری سے قتلِ عام کردیتا۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "اور میرا کیا ہوتا بھائی؟"

"یہ سالا سوچتا بعد میں ہے... کرتا پہلے ہے سکھ کی اولاد..." ظالم خان بولا۔

"تمہارے لیے اس سے لاکھ درجہ بہتر مل جاتا بہنا... یہ بندر کا بچہ کیا چیز ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ اب تک تو اس پٹھان کی گولی کا نشانہ بن چکا ہوگا۔" وہ بولا۔

میں نے بہتر سمجھا کہ ناشتے کی میز پر ہی بات کی جائے۔ "ظالم خان... آج تو اسے اپنا مہمان بنالے۔ شام کے بعد سے رات دس بجے تک کے لیے۔"

ظالم خان نے شکایتی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔ "دیکھا تم نے اس سالے کو... مجھ سے غیر قانونی کام کرائے گا اور پھر لکھ دے گا میرے ہی خلاف..."

میں نے کہا۔ "چھوڑ ظالم خان... تم تو بادشاہ لوگ ہو۔ الزام کوئی نہیں لگانا... بس روکنا ہے چار چھ گھنٹے... پھر بے شک سوری کہہ کے چھوڑ دینا کہ غلط فہمی ہوگئی تھی۔"

"اب اس کا مقصد بھی بتادیں آپ تو بڑی عنایت ہو۔" وہ بولا۔

"اب تجھ سے کیا پردہ دوست... میں یہ وقت اس کے گھر میں گزاروں گا۔ ایسے کہ اسے پتا بھی نہیں چلے گا۔ ایک تنکا ادھر سے ادھر نہیں ہوگا۔ بس جو انفارمیشن چاہیے مجھے وہ کچھ تو صائمہ اکٹھی کررہی ہے اس وقت۔" میں نے گھڑی دیکھی۔

"کیا مطلب؟ ایک ڈاکٹر کو بھی لگا دیا اپنی لائن پر... نصیب پھوٹ گئے اس کے۔"

"جیسے میری بہن کے پھوٹے... اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خوش نہیں... بڑی صابر شاکر قوم ہوتی ہے بیویوں کی۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ کیسے گئی اندر؟ تالا توڑ کے؟"

"چابی تھی اس کے پاس... جیسے میری تقدیر کی چابی ہے اس کے پاس... فنکار ہے وہ بھی برادران لا۔"

"اب مجھے تو جانا ہے ڈیوٹی پر۔"

"مجھے وہاں ڈراپ کردینا۔ خالد بن ولید روڈ پر... اور شام کو ایسے وقت میں اٹھانا میرے رقیب روسیاہ کو جب

میں اس کے ساتھ ہی ملوں... تین بجے کے بعد۔ میں اسے لنچ بھی کرادوں گا۔"

اس کی بیوی نے کہا۔ "مجھے نہیں بتاؤ گے بھائی یہ کیا اسٹوری ہے؟"

میں نے سر کھجا کے کہا۔ "یوں سمجھو بہنا... کہ اسٹوری جاسوسی کی ہے... پاکیزہ بہنوں کے لائق نہیں۔"

وہ دن بڑا صبر آزما تھا۔ میں، گلباز خان کو ایک بجے ملا۔ وہ حسب معمول اپنے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ گپ لگا رہا تھا۔ "ہاں یارا... لگتا ہے کوئی اچھی خبر ہے تمہارے پاس۔"

"بالکل ہے... شام تک ملے گی... تم نے جس سفید ہونڈا سٹی کے لیے کہا تھا۔"

"اچھا۔" وہ خوش ہوا۔ "کہاں ہے... ماڈل کون سا ہے اور قیمت۔"

"شام تک کنفرم ہوجائے گی قیمت بھی۔" میں نے کہا۔

ان پروفیشنل کار ڈیلرز کی صحبت میں ایک دن گزارنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ صائمہ کی طرف سے ایک بلینک کال مجھے بہت پہلے موصول ہوچکی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے۔ میں گلباز خان کو کھانے کے لیے لے گیا اور اسے اپنے بارے میں جھوٹ سچ سے بہلاتا رہا۔ شام چار بجے تک صائمہ کی طرف سے اور کوئی کال نہ ملنے کا مطلب تھا کہ وہ مصروفِ عمل ہے۔

یہ کال ساڑھے چار بجے موصول ہوئی۔ اس نے کہا۔ "میں نکل آئی ہوں۔ پریس کلب آجاؤں؟"

میں نے صرف ایک لفظی جواب دیا۔ "یس۔"

تقریباً اسی وقت ایک کار سے اترنے والے دو شریف صورت اور بے ضرر نظر آنے والے گلباز خان کو بلا کے ایک طرف لے گئے۔ میں نے انہیں پروفیشنل اسٹائل میں گلباز خان کو گاڑی میں ڈال کے لے جاتے دیکھا۔ سب کے ساتھ اظہار حیرانی و پریشانی کا ڈراما رچانے کے بعد میں نے پریس کلب کی راہ لی جہاں صائمہ مجھ سے پہلے موجود تھی اور میرے ایک صحافی دوست سے حالاتِ حاضرہ پر گپ شپ لگا رہی تھی۔ اسے یہ بتا رہی تھی کہ آج سارا دن اس نے کیسا مشکل آپریشن کرتے گزارہ۔ یہ بات سو فیصد درست تھی۔ کیونکہ اس نے بھی سرجیکل آپریشن نہیں کیا تھا۔

میں نے کہا۔ "صائمہ! میں جذباتی ہورہا ہوں۔ اور یہ جگہ جذبات کے مظاہرے کے لیے قطعی نامناسب ہے۔"

وہ خوش تھی۔ "کلفٹن چلتے ہیں۔"

میں نے گھڑی دیکھی۔ "سمجھو دو گھنٹے ہیں میرے پاس... چلو۔"

ساحل کی بھیگی رات پر شام کی نمی سے بوجھل ہوا میں اس کے جوتے اٹھا کے چلنا ایک رومانٹک تجربہ تھا جو میں پہلے بھی کرچکا تھا۔ تاہم دیکھنے والے نئے تھے اور ایک روایتی فرمانبردار شوہر کے جذبات پر اپنے تبصرے دیے جاتے تھے۔ سالا زن مرید... ابھی نئی نئی شادی ہے نا... ابے سب کو کہنا پڑتا ہے نکاح کے بعد رسموں میں کہ بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام... تمہاری جوتیاں اٹھاؤں گا... ایسے لوگ بعد میں بچے اٹھائے پھرتے ہیں... میں نے عاشقانہ فراخدلی کے ساتھ مسکرا کے سب سنا۔

"اس کی بیوی کا نام تھا نورجہاں... مجھے ایک پڑوسن نے بتایا۔ رہنے والی تو قصور کی تھی۔ ماں باپ یہاں آکے آباد ہوگئے تھے۔" صائمہ نے اپنی رپورٹ دی۔ "بھائی تین تھے۔ ایک کسی حادثے میں مرگیا تھا۔ دو میں سے ایک سعودی عرب چلا گیا۔ دوسرا دبئی۔"

"شادی کب ہوئی تھی؟ گھر کہاں ہے؟"

"شادی سال بھر پہلے ہوئی تھی۔ ماں باپ دونوں تھے اس وقت۔ ماں پہلے مری... غالباً اسے کینسر ہوا تھا۔ ظاہر ہے اس کے بعد باپ کو نورجہاں کی فکر لاحق ہوئی کہ میں مرگیا تو اس کا کیا بنے گا۔ نورجہاں کے بھائی تو لاپتا تھے۔ وہ گئے ہی غیر قانونی طور پر تھے۔ ماموں نورجہاں کو لے گیا واپس اپنے آبائی گاؤں... وہاں اس کا کوئی چچا تھا۔ راولپنڈی، پشاور کے درمیان کوئی جگہ ہے... اکوڑہ خٹک۔"

"ہاں ہے... دریائے اٹک یا کابل کے کنارے۔"

"گلباز خان نے وہیں شادی کی۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ نورجہاں تک پہنچا کیسے... یہ سب نے کہا کہ تھی وہ واقعی نورجہاں... بہت خوب صورت اور صحت مند۔ شادی کے بعد وہ یہاں آگئے۔"

"تم نے کہا کہ اس کے ماں باپ یہاں سیٹل ہوگئے تھے۔"

"باپ پہلے سے بیمار تھا۔ وہ اپنے گاؤں میں ہی رک گیا بھائی کے پاس اور چھ مہینے ہوئے وہ بھی مرگیا۔"

میں نے کہا۔ "وہ یہاں سیٹل تھا... تو کوئی گھر بھی ہوگا اس کا... یا کرائے پر رہتا تھا وہ بھی؟" میں نے پوچھا۔

"ایک پڑوسن نے بتایا تھا کہ لانڈھی میں اپنا گھر تھا۔"

"پھر وہ شادی کے بعد اپنے گھر میں کیوں نہیں رہی؟

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرائے کے فلیٹ میں کیوں آئی ؟''

صائمہ نے غور کیا۔ ''ہوسکتا ہے گلباز کو وہ جگہ دور پڑتی ہو۔ اس کا یہ کاروں کا بزنس یہاں سے قریب ہے۔ پیدل کا راستہ تھا۔''

''غالباً یہی وجہ ہوگی۔''

''مکان اس نے بیچ دیا ہوگا۔ کرائے پر کون اٹھاتا ہے... خوامخواہ کا دردسر۔''

''یہ تو ٹھیک ہے بلبل جان... لیکن اب وہ ڈلیوری کے لیے کون سے میکے گئی ہے؟ نہ ماں ہے نہ باپ اور بھائی۔''

''چچا کا گھر بھی تو اپنا ہی ہوتا ہے۔ بھروسا نہ ہوتا تو باپ وہاں کیوں لے جاتا اور وہاں جا کے کیوں مرتا۔''

''ایڈریس وغیرہ کچھ نہیں ملا... تلاشی میں؟''

''مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ ایک پڑوسن نے مجھے اندر جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ آئی... پھر دوسری... تیسری... بہت کرید رہی تھیں کہ صرف ایک سال بعد گلباز خان نے مجھ سے دوسری شادی کیوں کی... میں تو مظلوم بن گئی کہ مجھ سے بچپن کی منگنی تھی... میرے لیے تو یہ انکشاف ہے کہ اس نے کسی نورجہاں سے شادی کرلی تھی۔ آج آئے میں خبر لیتی ہوں... خواتین کی ساری ہمدردی میرے ساتھ تھی۔''

''اپنے بارے میں کیا فرمایا آپ نے؟''

''وہ کھل کے جھوٹ بولا جو تم نے سکھایا تھا۔ پھر بھی رسک تو ہے۔ بعد میں کوئی پہچان جائے۔''

''ایسی بات کرنے والا خود ملزم بن جائے گا۔ تم سول اسپتال کی ڈاکٹر... ایک سو ایک تمہارے گواہ... تم کیا جانو کسی گلباز کو... ہم شکل والا نظریہ چلے گا... خیر... اس عظیم کارنامے پر جو تم نے سرانجام دیا۔'' میں نے ایک دم اسے پکڑ کے چوم لیا۔

اس نے مجھے غصے سے دھکیلا۔ ''پاگل ہوئے ہو... لوگ دیکھ رہے ہیں۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''کون لوگ... ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ چلو اب واپس چلتے ہیں۔''

''سچ بہت بے شرم ہو تم۔''

''جس نے کی شرم... اس کے پھوٹے کرم... ہمت ہے کسی میں تو ایسے محبت کر کے دکھائے...'' میں نے ہنس کے کہا۔ ''جوتیاں اٹھانے کا معاوضہ ابھی باقی ہے۔''

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ میں ماروں گی زیادہ بدتمیزی کی تو۔''

شام کا اندھیرا کچھ گہرا ہوگیا تھا جب میں ان فلیٹوں کے گیٹ سے گزرا جہاں گلباز رہتا تھا۔ دن کی ڈیوٹی والا چوکیدار بدل چکا تھا اور اب میں کار میں برقع پوش صائمہ کے ساتھ تھا۔ اس نے پہلے چابی دی اور پانچ منٹ بعد جب میں اوپر جا چکا تھا وہ گاڑی لے کر نکل گئی۔ میں نے بڑے اطمینان سے تالا کھولا اور اندر چلا گیا۔ صائمہ کے مقابلے میں رسک میرے لیے یقیناً زیادہ تھا لیکن خوش قسمتی سے کسی نے بھی مجھے اندر جاتے نہیں دیکھا۔

میں نے کسی پروفیشنل سراغ رساں والے اعتماد کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ ایک ایک کر کے میں نے تمام الماریوں اور درازوں کو کھول کے دیکھا۔ مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ ایک گھنٹے میں مجھے اصل نکاح نامہ بھی مل گیا اور چند تصویروں والا ایک البم بھی۔ میں نے صرف ایک تصویر لی۔ صائمہ کو موقع ملتا تو یہ کام وہ بھی کرسکتی تھی۔ اس کے بعد میرا وہاں ٹھہرنا لاحاصل تھا۔ اس بات کا خطرہ آج نہیں تھا کہ گلباز خان کو واپسی پر اس کی دوسری بیوی کے آنے کی خبر ملے۔ تشویش میں مبتلا بیویاں رات کو شوہروں کے آنے کے بعد انہیں یہ بریکنگ نیوز دیں گی جو ظاہر ہے اسے اتنی اہمیت نہیں دیں گے کہ فوراً گلباز خان سے پوچھنے جائیں۔ وہ بھی رات کو آئے گا اور سو جائے گا۔ یہ سنسنی تو صبح پھیلے گی جب معلوم ہوگا کہ دوسری بیوی فریب خیال و نظر تھی۔ تو دن بھر سنسنی پھیلی رہے گی اور شام کو جب شوہرانِ کرام دن بھر پرندوں کی طرح رزق کمانے کے بعد آشیانوں کو لوٹیں گے تو ان کے لیے ایک اور سنسنی خیز بریکنگ نیوز یہ ہوگی کہ دوسری بیوی بھی بھاگ گئی... سب شوہر گلباز خان کی خوش قسمتی پر رشک کریں گے جن کی ایک ہی جان نہیں چھوڑ رہی۔

☆☆☆

رات کو اپنے سیکرٹ مشن کی تکمیل کے بعد آٹھ بجے کے قریب میں نے ظالم خان کو فون پر مطلع کیا۔ ''اب تم چاہو تو گلباز خان کو چھوڑ سکتے ہو... اور مہمان رکھنا چاہو تو اس کا بھی جواز ہے۔''

''کوئی ایسی بات ہے تو ضرور بتا جس سے تمہارے دوست کا فائدہ ہو؟'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''اس سے پوچھو کہ نورجہاں نام کی ایک بیوی تھی اس کی۔ وہ بیوی تھی یا نہیں اور تھی تو اب کہاں ہے... اگر اس سے تمہیں کچھ مالی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں تو ہمیں کیا۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں... دس پرسنٹ ہمارے لیے بھی نکال دینا ز کوۃ۔''

''مسٹر ٹین پرسنٹ... اگر یہ کیس بنتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''وہ تمہاری مرضی... میں اس میں فریق نہیں بنوں گا۔'' میں نے کہا۔

اپنی معلومات میں فوری طور پر مسماۃ صائمہ اور غزالہ تک پہنچا تا تو ان کی خوشی دوچند ہوتی لیکن زمانہ نفسانفسی کا ہے۔ مجھے اپنی خوشی اور اپنا مفاد بھی تو دیکھنا تھا۔ یہ اچھا موقع تھا کہ میں ان کے جذباتی بحران کو طول دے کر مالی اور دیگر فوائد حاصل کرتا رہوں۔ یہ اطلاع بھی غزالہ کے لیے خوش خبری ہوگی کہ گلباز خان نے اپنے روایتی ''قول'' سے بدعہدی میں پہل کرتے ہوئے ایک شادی کہیں اور کرلی تھی۔ ظاہر ہے اس کے بعد غزالہ سے کیا گیا منگنی کا معاہدہ ازخود کالعدم ہوجاتا تھا۔ لیکن ابھی تصدیق ضروری تھی کہ نورجہاں سچ مچ اس کی منکوحہ تھی یا محض ٹائم پاس... ابھی نکاح نامے کے اصلی نقلی ہونے کی تصدیق کا مرحلہ باقی تھا۔

صبح مجھے غزالہ کے ڈیڈی کا فون موصول ہوا۔ ''غزالہ نے بتایا کہ تم نے گلباز خان کے غیرقانونی کاروبار اور ایک شادی کے بارے میں معلوم کرلیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''غیرقانونی کاروبار میں تو کوئی شک نہیں۔ اس میں پولیس اور دیگر محکمے بھی شریک ہیں تو ہمیں پنگا لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں شادی ثابت ہوجائے تو آپ کی پریشانی دور ہوجائے گی۔ مجھے شک ہے کہ یہ شادی بھی شاید فراڈ تھی۔ جعلی نکاح سے اس نے کسی کو چکر دیا ہو... آج تصدیق ہوجائے گی۔''

''یہ ہوگیا تو تمہارا احسان میں تاحیات نہیں بھولوں گا۔ میرے سر پر بڑا بوجھ تھا اور یہ احساس تو مجھے قبر میں بھی چین نہ لینے دیتا کہ میں نے اپنی انا پر بیٹی کی زندگی کو جہنم میں جھونک دیا۔''

''آپ تسلی رکھیں... اور آنٹی کو بھی بتا دیں کہ گلباز اب زبردستی غزالہ کو نہیں لے جاسکتا۔''

نکاح نامے میں بہت سی تفصیلات تھیں مگر ایسا لگتا تھا کہ کچھ عمداً گول کردی گئی ہیں۔ گلباز خان کے شناختی کارڈ نمبر پر بھی مجھے شک تھا۔ اس کی تصدیق بہ آسانی کی جاسکتی تھی۔ نورجہاں کے شناختی کارڈ کا نمبر بھی نہیں تھا۔ گواہان کا معاملہ بھی ایسا ہی لگتا تھا۔ ان کے نام اور دستخط تھے۔ پتے نامکمل تھے اور شناختی کارڈ نمبرز پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مختلف شہروں کے ہوسکتے ہیں۔ نکاح رجسٹرار سے اور دلہن کے لانڈھی والے پتے سے بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔

میں نے نو بجے کے قریب صائمہ کو فون کیا۔ ''مجھے لانڈھی جانا ہے۔''

''تو جاؤ... مجھ سے کیا اجازت مانگ رہے ہو؟''

''دیکھو... یہ قانونی تفتیش ہے اور میں نے بطور سراغ رساں تم سے کوئی فیس نہیں لی ہے مگر مجھے آمدورفت کی سہولت فراہم کرنا تمہارا اخلاقی فرض بنتا ہے۔''

''کیا مطلب... میں گاڑی لے کر آؤں... تم ٹیکسی میں کیوں نہیں چلے جاتے؟''

''جانم... وہ جو ایک صابن دانی جیسی ڈبیا ہے تمہاری چار پہیوں والی... وہ مجھے سگِ لیلیٰ کی طرح عزیز ہے اس میں سفر سے مجھے جو روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔''

''مگر آج میں چھٹی کیسے کروں... کل بھی کی تھی۔'' وہ نیم رضامندی سے بولی۔

''سب کچھ کرسکتی ہو تم... محبت کے لیے یہ نوکری بھی چھوڑ سکتی ہو... اگر انارکلی نے دنیا چھوڑ دی تھی۔''

''فضول ڈائیلاگ مت مارو... میں آتی ہوں۔ لیکن تم نے لانڈھی تک ایک بار بھی میری گاڑی کو کچھ کہا تو میں تمہیں راستے میں اتار کے لوٹ جاؤں گی۔''

''تم غزالہ کو بھیج دو... وہ خود تم سے اچھی نہیں مگر اس کی گاڑی۔''

ایک گھنٹے بعد صائمہ کے ساتھ میں لانڈھی کی طرف ایسے جارہا تھا جیسے ہنی مون کے لیے سوئٹزرلینڈ جارہا ہوں۔ ساری بات ذہانت کی ہے ورنہ سوئٹزرلینڈ بھی جلاوطنی... صائمہ بڑے اہتمام سے آئی تھی اور میری عاشقانہ تابعداری پر بہت خوش نظر آتی تھی کہ صرف اس کے لیے میں نے دن رات ایک کردیے۔ نقشہ میں نے کچھ ایسا ہی کھینچا تھا۔ ایک گھنٹا اِدھر سے اُدھر بھٹکنے کے بعد ہم نے بالآخر لانڈھی میں وہ چھوٹا سا گھر دریافت کرلیا جو گویا نورجہاں کا اصل میکا تھا۔ گھر خالی نہیں تھا۔ اندر سے کچھ تھانے کی تفتیش جیسی فریاد و فغاں سنائی دے رہی تھی۔ ملزم زیرِ تفتیش آواز سے مرد لگتا تھا اور تفتیشی افسر کوئی نیک دل خاتون۔

میری دستک پر ایک صوفی نمودار ہوا جس کی آنکھوں میں فریاد اور مظلومیت تھی۔ ''کس سے ملنا ہے؟'' وہ منمنایا۔

میں نے نورجہاں کا اور اس کے باپ کا نام لیا۔ ''یہ انہی کا گھر ہے؟''

صوفی کے عقب سے ایک آتش فشاں حسینہ برآمد ہوئی جس کے وجود سے دھواں اٹھتا محسوس ہوتا تھا۔ کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

تکلف یا تمہید کے بغیر اس نے ایک مختصر تقریر کی۔ ”ہزار بار بتا چکے ہیں تمہیں کہ یہ گھر ہم نے خرید لیا تھا۔ تم بار بار آجاتے ہو پریشان کرنے۔“

میں نے کہا۔ ”لیکن ہم تو پہلی بار آئے ہیں۔“

”اچھا آیندہ مت آنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔“ وہ صوفی کو گھسیٹ کے واپس اندر لے گئی۔ ”تم بتاؤ مجھے آخر وہ ہے کون؟“ دروازہ بند ہوگیا اور اندر سے صوفی کی دردناک ہائے سنائی دی۔

میں نے عبرت پکڑ کے کہا۔ ”لگتا ہے ان کی بھی لو میرج ہوئی ہوگی صوفی بھی میری طرح بزدل ہے۔“

”مگر میں تو اس جیسی آدم خور ڈائن نہیں ہوں۔“

”تم نے اس چوہے کا کیس نہیں سنا جو شیر کی شادی میں ناچ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ بھائی اس شادی میں تم کیسے؟ تو وہ آہ بھر کے بولا کہ شادی سے پہلے میں بھی شیر تھا۔“

اب ایک آسرا نکاح خواں کا تھا۔ تھوڑی سی پوچھ گچھ کے بعد ہم نے نکاح خواں کے نام سے ان کا گھر بھی تلاش کرلیا۔ باہر نام کی تختی دیکھ کے شک کی کوئی بات نہ رہی۔ کال بیل کی جگہ کنڈی بجانے پر ایک نوجوان کا بارِش ڈھانچا برآمد ہوا۔

”یہ قاضی قدوس قاسمی صاحب کا گھر ہے؟“ تین بار حلق سے قاف نکال کے مجھے کچھ خراش سی محسوس ہوئی۔

ڈھانچے نے نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ تو چلے گئے۔“

”چلے گئے؟ کہاں... ہمیں ان کا پتا بتا دو۔“ میں نے کہا۔ ”ہم انہی سے ملنے آئے تھے۔“

اس نے اوپر دیکھا۔ ”گو عالمِ ارواح میں چلے جاؤ... قبر پر لے جا سکتا ہوں... نکاح میں بھی پڑھا سکتا ہوں۔“

مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ آج ناکامیوں اور مایوسیوں کا عالمی دن ہے۔ مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور اسے نکاح نامہ دکھایا۔ ”ہم اس کی تصدیق چاہتے تھے یہ اصل ہے کہ نقلی؟“

صائمہ نے بہت بروقت ترپ کا پتا پھینک دیا۔ ”اور اس کارِ خیر کے لیے ایک ہزار کا ہدیہ بھی پیش کرسکتے ہیں۔“

جانشین کے مالی حالات اس کی صحت کی خستہ حالی سے ہی عیاں تھے۔ یہ پتا کام کرگیا۔ اس نے نکاح نامے کو ایک ماہر کی نظر سے دیکھا اور آبدیدہ ہو کے فرمایا۔ ”بے شک یہ دستخط والد ماجد خلد آشیانی کے ہیں۔“

”اور یہ گواہ... ان میں سے کوئی گردونواح میں دستیاب ہے؟“

اس نے پھر غور فرمایا اور بولا۔ ”ان سے آپ مل سکتے ہیں۔ ذرا اونچا سنتے ہیں، جواب اتنا نیچا دیتے ہیں کہ آپ کو ان کے پاس بیٹھنا پڑے گا زمین پر۔“

صائمہ نے ہتھیلی پر ایک ہزار صدقہ کیے اور ہم نے گواہ کو ایک گلی کے کونے پر جوتے گانٹھتا دیکھ لیا۔ آدھے گھنٹے کی سخت مشقت کے بعد نتیجہ حسبِ دل خواہ برآمد ہوا جب ہمارے ساتھ ہمارے گلے بھی بیٹھ گئے تھے۔ جو معلوم ہوا یہ تھا کہ بے شک نور جہاں کا نکاح اسی گھر میں ہوا تھا جو اس کے باپ کی ملکیت تھا۔ وہ خود بھی اس میں شریک تھا۔ اللہ معاف کرے۔ نور جہاں کا باپ ایک لالچی شخص تھا۔ اس نے اپنی بیٹی تصدیق تفتیش کے بغیر اس گلباز خان کو بیچ دی تھی اور نقد قیمت وصول کرلی تھی اور اس سودے کو یوں شرعی جواز عطا کیا تھا کہ لڑکی کا مہر ایک لاکھ روپے عندالطلب نکاح کے فوراً بعد لے لیا تھا۔ یہ غلط ہے کہ نکاح اس کے گاؤں اکوڑہ خٹک میں ہوا تھا۔ اس کا داماد شادی کے بعد اسی گھر میں اس کے ساتھ رہا اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک روز اس نے سسرِ محترم کو جانب خلد بریں روانہ کیا اور خود مکان موجودہ رہائش پذیر شخص کو بیچ دیا۔ اس کی بیوی نے بیچا اور رقم اس نے وصول کی۔ پھر وہ بیوی کو لے کر شہر چلا گیا تھا۔ اس نے دوسرے گواہ کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک عامل ہے اب... جن بھوت اتارتا ہے اور ”کنگالی بابا“ کہلاتا ہے کیونکہ جو اس کے پاس جاتا ہے کنگال ہو جاتا ہے۔

واپسی پر ایک ناقابلِ بیان شرمناک واقعہ پیش آیا جس کا انجام ایک المناک حادثے کی صورت میں ہوسکتا تھا اور اس کے نتیجے میں ہم بچ اصل قاضی صاحب سے عالمِ ارواح میں شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لیے پہنچ سکتے تھے۔ صائمہ اس کامیابی پر بے حد خوش تھی اور ایسی ایکسائیٹڈ تھی کہ اس کا جذباتی سنسر انگلش فلموں والا ہوگیا۔ ایک ویران سی جگہ سے گزرتے ہوئے اس نے فلمی انداز میں چلا کے کہا۔ ”یاہو... ڈارلنگ یہ سب تمہاری محنت اور ذہانت سے ممکن ہوا اور بے قابو ہو کے مجھے چوم لیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو گاڑی ایک گڑھے میں کھڑی تھی۔ صائمہ کے ساتھ وہ بھی بے قابو ہو کے راہِ راست سے اتر گئی تھی۔

ایسا سنسنی خیز واقعہ بزدل کی زندگی میں دوبارہ پیش نہیں آیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com